www.khanqah.in

Visit us at: www.khanqah.in

ہفتہ وار

اشاعت کا چودھواں سال

14th year of Publication

مبلغ

The Weekly **MUBALLIG**

Srinagar Kashmir

سرینگر کشمیر

قیمت صرف 3روپے

08رفروری 2013ء جمعۃ المبارک مطابق 26ربیع اوّل ر ۱۴۳۴ھ جلد نمبر: 14 شمارہ نمبر: 06

حضرت شیخ نورالدین نورانیؒ چھِ فرماوان:

پُٹھ پھلَس رَے کرنَس تے
بیٚون بیٚون پھلَس ہنٛس ناو
ترٛوپ دِتھ اَسَس بند کرنَس تَے
یُس کرِ گونگل سُی کرِ کرٛاو

ہر پھل کو گِنا جائیگا اور ہر پھل کو الگ الگ نام لیا جائیگا اور (مرضی ہوئی تو) پکے ہوئے اور پختہ پھلوں کو بھی ضائع کیا جائیگا (یعنی نیت کی خرابی کی وجہ سے اعمالِ صالحہ کا بھی قیامت میں کوئی وزن نہ ہوگا) منہ بند کیا جائیگا اور بولنے کی اجازت نہیں دی جائیگی اسلئے یاد رکھ! جو بوئے گا وہی کاٹے گا۔

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر کیا تو نے

مولانا محمد اکرم غنا مظاہری۔حفظہ اللہ

وہ مدارس اسلامیہ جس میں امن وآشتی، الفت ومحبت اور اخوت وبھائی چارگی کا درس دیا جاتا ہے ان مدارس اسلامیہ کو دشمنان اسلام ''دہشت گردی کے اڈے'' کا الزام دیکر بدنام کررہے ہیں، مسلمانوں نے اس کی پر زور مذمت کی اور دشمنان اسلام کے اس دعوے کو غلط ثابت کرتے ہوئے مدارس اسلامیہ کا امن وآشتی کا علم بردار ہونا ثابت کیا؛ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ اگر ایک طرف مسلمان دشمنان اسلام کی مخالفت کرتے ہوئے مدارس کی حقیقت کو پیش کرتے ہیں تو وہیں دوسری طرف مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد مدارس اسلامیہ کو غریب خانہ اور دینی تعلیم کو باعث غربت تصور کرتے ہوئے مدارس کی حقیقت پر پردہ ڈال رہے ہیں، قابل غور بات ہے کہ غیروں کا دینی مدارس کو دہشت گردی کا اڈہ قرار دینے سے اگر مدارس کی شبیہ بگڑتی ہے اور مدارس بدنام ہورہے ہیں تو کیا مسلمانوں کا دینی مدارس کو غریب خانہ کہنے یا دینی مدارس کی تعلیم کو باعث غربت سمجھنے سے مدارس کی شبیہ نہیں بگڑتی اور مدارس کی حقیقت پر پردہ نہیں پڑتا؟ کیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ دینی مدارس میں وہی تعلیم حاصل کرے جو دنیوی اداروں میں تعلیمی اخراجات برداشت نہ کرسکتا ہو اور جو تعلیمی اخراجات برداشت کرسکتا ہو وہ اسکول وکالج میں تعلیم حاصل کرے؟ یقیناً یہی مطلب ہے اور چھیانوے فیصد لوگ اس پر عمل کررہے ہیں جبکہ ہر مسلمان مرد وعورت پر دینی تعلیم کا حاصل کرنا فرض عین ہے۔

مدارس اسلامیہ وہ عظیم الشان ادارے ہیں جو انسانیت کی باگ ڈور مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں، اگر یہ مدارس متحرک وفعال ہیں تو انسانیت کی گاڑی اپنا سفر طے کرتی رہے گی اور اگر مدارس اسلامیہ کے اندر جمود وتعطل آگیا تو دنیا کا نظام درہم برہم ہوجائے گا، چونکہ مدارس اسلامیہ میں انسانیت کی رہبری کے لئے نازل کردہ کتاب قرآن مجید کی تعلیم دی جاتی ہے جب تک اس کی تعلیم جاری رہے گی انسانیت اس کی روشنی سے اپنا راستہ طے کرتی رہے گی اور جب اس کی تعلیم بند ہوجائے گی انسانیت ضلالت وتاریکی کا شکار ہوکر اس طرح ہلاک ہوجائے گی جس طرح لق ودق صحرا میں گم گشتہ راہ ہلاک ہوجاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ دینی تعلیم حاصل کرنے والوں کے لئے تمام مخلوق حتی کہ سمندر کی مچھلیاں بھی دعاء کرتی ہیں، مدارس اسلامیہ کا مقصد صرف پڑھنا پڑھانا ہی نہیں ہے جیسا کہ اسکول وکالج میں پڑھنے پڑھانے کا فن اور درس وتدریس کا طریقہ سکھایا جاتا ہے بلکہ مدارس اسلامیہ انسانیت ساز کارخانے ہیں جن میں دینی تعلیم سے آراستہ کرکے ایسے افراد تیار کئے جاتے ہیں جو نور نبوت سے استفادہ کرتے ہوئے انسانیت کی نبض پر ہاتھ رکھ کر صحیح بیماری کی تشخیص کے بعد مسیحائی کا کام انجام دیدتے ہیں۔

دینی مدارس کی تعلیم کو باعث غربت سمجھنے سے دینی تعلیم چند افراد تک محدود ہوچکی ہے جسکی وجہ سے خدا کا پیغام خدا کے تمام بندوں تک نہیں پہنچ رہا ہے اور وہ قرآن کریم جو تمام انسانیت کے لئے نازل کیا گیا ہے تمام انسانیت تک اس کی رسائی نہیں ہورہی ہے، چنانچہ انسانیت کی بہت بڑی تعداد ایمان کی دولت سے محروم ہے اور جو حضرات ایمان لائے ہیں ان میں بھی ایک کثیر تعداد احکام اسلام سے کوسوں دور ہے اور بعض تو ایمان ہی کا سودا کرلیتے ہیں، ٹھنڈے دل سے اس نظریہ کا تجزیہ کرنے کے بعد اگر یہ کہ دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ مدارس کو جتنا نقصان مسلمانوں کے اس نظریئے سے پہنچ رہا ہے اتنا نقصان غیروں کے نظریۂ دہشت گردی سے نہیں پہنچ رہا ہے، مگر افسوس! مدارس کو دہشت گردی کا اڈہ قرار دینے کا تذکرہ اور اس کی مخالفت ہر ایک کی زبان وتحریر پر ہے مگر مسلمانوں کے اس غلط نظریہ کی طرف یا تو کسی کی توجہ ہے ہی نہیں یا ہے تو اس کی کوئی اہمیت نہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مدارس اسلامیہ میں تعلیمی اخراجات بہت کم ہوتے ہیں جس سے امت کا ہر طبقہ بلا کسی تفریق کے فائدہ حاصل کرسکتا ہے خواہ غریب ہو یا امیر، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ تعلیم غریبوں کے لئے خاص ہوگئی، دینی تعلیم کا کم اخراجات یا مفت میں حاصل ہونے کا راز یہ ہے کہ نظام کائنات میں سنت اللہ یہ ہے کہ جس چیز کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس چیز کو اتنا ہی عام کردیتے ہیں، چنانچہ ہوا پانی آگ اور کھانے کی چیزوں میں نمک وغیرہ کی ضرورت اور اس کی قیمت پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جس چیز کی جتنی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو اتنا ہی عام کردیا ہے۔اسی طرح تعلیم میں دینی تعلیم کی ضرورت ہر فرد بشر کو ہے اس کے بغیر کسی انسان کی زندگی کامیاب نہیں ہوسکتی اسلئے اللہ تعالیٰ نے علم دین کو عام کردیا جسے امیر وغریب سب کے سب حاصل کرسکتے ہیں۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ دینی مدارس کی اہمیت کو سمجھیں اس سے اپنا رشتہ مضبوط کریں، مدارس کے تعلق سے جن کے نظریات غلط ہیں ان میں تبدیلی پیدا کریں! مدارس کے وجود کو اپنا وجود سمجھیں!۔اگر مدارس سے بے رخی کی گئی اور مدارس کو دنیوی اداروں کی طرح کوئی ادارہ یا تنظیم تصور کرلیا گیا تو اولاً مسلمانوں کو اپنے ایمان سے ہاتھ دھونا پڑے گا پھر پوری انسانیت ہی نہیں بلکہ پوری کائنات نیست ونابود ہوجائے گی، اگر مدارس کے تئیں ہمارا نظریہ صحیح ہوگیا اور ہمارا رشتہ مدارس سے مضبوط ہوگیا تو انشاء اللہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ دشمنان اسلام بھی (مدارس کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے کے بجائے) مدارس سے استفادہ کرتے ہوئے نور ہدایت سے اپنا دامن بھریں گے۔

ضروری گذارش: محترم قارئین کرام! یہ اخبار عام اخباروں کی طرح نہیں، اسلئے اس کا ادب واحترام ہمیشہ قارئین پر واجب ہے۔ مدیر

مسلم نوجوانوں کی گرفتاری اسقدر عام ہوچکی ہے کہ جب بھی کہیں حادثہ ہو گرفتاری مسلم نوجوانوں کی عمل میں آتی ہے، خواہ مسجد کا واقعہ ہو یا مندر کا یا کہیں اور کا، دن بدن محروسین کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا ہے جو انتہائی دکھ اور تکلیف کی بات ہے، مسلمانوں کی بہت ساری تنظیمیں اس کے خلاف اعلی پیمانے پر کام کررہی ہیں اور ان کی کوشش پر کچھ نوجوانوں کی رہائی بھی عمل میں آئی اللہ مزید کامیابی عطا فرمائے: مگر افسوس اور انتہائی افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلم نوجوانوں کی گرفتاری کے خلاف مسلمانوں کی بہت ساری تنظیمیں کوشش کررہی ہیں مگر مسلم خواتین پر جو نا قابل بیان ظلم ہورہا ہے اس پر کسی کی توجہ نہیں، ظالم کوئی حکومت کا نمائندہ یا کسی فتنہ پرور تنظیم کا فرد نہیں بلکہ خود اس عورت کا ظالم وخونخوار شوہر اور اس کے سسرال والے ہوتے ہیں۔

کیا کسی تنظیم کا کوئی فرد یا کوئی سماجی کارکن اس سے ناواقف ہے؟ نہیں! بلکہ معاشرہ کا ہر فرد اس سے واقف ہوتا ہے: مگر کون ہے جو اس مظلوم کی دادرسی کرتا ہے؟ کون ہے جو اس کے ظالم، خونخوار اور جہیز کے حریص شوہر کے ظلم سے اس کو نجات دلاتا ہے؟ کون تنظیم ہے جو جہیز جیسی ملعون چیز کے مطالبہ کرنے والے کے خلاف کوئی کاروائی کرتی ہے؟

جبکہ عورتوں پر ہونے والا ظلم مسلم نوجوانوں کی گرفتاری کے مقابلے زیادہ ہے، چنانچہ اگر مسلم نوجوانوں کو جیل کے اندر قید کرکے ان کے اختیارات ختم کردیئے جاتے ہیں تو خواتین کو اپنے گھر میں رہنے کے باوجود ان کے اختیارات ختم کردیئے جاتے ہیں بلکہ جیل میں تو عزیزوں سے ملنے کا موقع بھی دیا جاتا ہے مگر جہیز کا حریص ظالم شوہر بیوی کو نہ میکے جانے کی اجازت دیتا ہے اور نہ ہی میکے والوں کو ان سے ملنے کی اجازت دیتا ہے۔اگر جیل میں گرفتار ملزم کو جیل میں ہراساں کیا جاتا ہے تو اس کو حکومت کی طرف سے اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع دیا جاتا ہے اور اس کا کوئی نہ کوئی دفاع کرنے والا ہوتا ہے، اگر کوئی نہ ہو تو حکومت کی طرف سے اس کے دفاع کا انتظام کیا جاتا ہے: جس سے اس ملزم کو رہائی کی توقع ہوتی ہے اور بہت سوں کی رہائی بھی ہوجاتی ہے، اور اب تو کہیں کہیں ان کو رہائی کے بعد رقم بھی دی جاتی ہے:

//بقیہ صفحہ 7 پر......//

www.khanqah.in

ظاہری وباطنی بدترین حالات کا علاج

موت کی یاد اور فکرِ آخرت 2

ابوحمزہ-استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا

حضرت حسن بصری روایت کرتے ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ موت کے وقت سختی ایک ساتھ تلوار کے تین سو ضرب کے برابر ہے۔(مسند احمد)

موت کے وقت کی کڑواہٹ کے بارے میں مروی ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے لوگوں کے مطالبہ پر یافث ابن نوح کی قبر پر جاکر کہہ ''اے یافث! اللہ کے حکم سے کھڑے ہوجاؤ تو وہ کھڑے ہوگئے اور کہا کہ موت کے وقت کی کڑواہٹ آج بھی میرے گلے میں محسوس ہورہی اور پیاس بھی، سات سمندر کا پانی پلادیا جائے تب بھی پیاس نہ بجھے۔(موت کا جھٹکا)

حدیث پاک میں حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:'' تمتون کما تحیون ''اور'' تحشرون کما تمون ''تم جس طرح زندگی بسر کروگے، اس طرح موت آئے گی اور جس حالت میں موت آئے گی اسی حالت میں اٹھائے جاؤگے۔

یعنی زندگی میں جس میں زیادہ وقت کھپایا ہوگا اور زیادہ دلچسپی لی ہوگی؛ اسی حالت میں موت آئے گی اور قیامت کے دن بھی اسی حالت میں حشر ہوگا، لہٰذا اپنی زندگی کی اصلاح کی فکر کی ضرورت ہے۔ اگر گانے سننے میں دلچسپی، گالی دینے میں دلچسپی ہے، فتنہ فساد میں دلچسپی ہے، شراب پینے کی لت ہے، کھیل کود سے شغف ہے، تو اسی حالت میں موت آئے گی اور اگر نماز سے دلچسپی ہے یا قرآن کی تلاوت کا شوق ہے یا وعظ ونصیحت میں دلچسپی ہے، تو اس حالت میں موت آئے گی۔

اگر آپ حسن خاتمہ کے متمنی ہیں تو اپنے اندر یہ اوصاف واطوار پیدا کیجئے:

(۱) اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور تقویٰ اگر گناہ ہوجائے تو توبہ اور استغفار کیجئے۔

(۲) ایمان پر خاتمہ کے لئے رورو کر الحاء وزاری کے ساتھ دعا کرتا رہ۔

(۳) اپنے ظاہر وباطن کی اصلاح میں لگا رہے اور نیت میں خلوص پیدا کرو۔ اور اگر آپ سوءِ خاتمہ یعنی برے خاتمہ سے بچنا چاہتے ہیں تو یہ امور اپنا لیجئے:

(۱) عقائد کو درست کیجئے، عقائد کے بگاڑ یا کمزور ہونے کی صورت میں ایمان کے سلب ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔

(۲) دنیا سے محبت نہ کیجئے اور زیادہ دنیوی مشغولیت سے اجتناب کیجئے کیوں کہ اللہ کی اور دنیا کی محبت ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتی۔

(۴) گناہوں سے حتی المقدور اجتناب کیجئے ورنہ گناہ کی وجہ سے ایمان ضائع ہونے کا غالب گمان ہے۔

(۵) دین کے کاموں سے دلچسپی لیجئے اور سستی نہ کیجئے۔

موت کیا ہے؟ فرمایا:''موت کے معنی فنا کے نہیں ہیں کہ آدمی موت کے آنے کے بعد فنا ہوگیا یا ختم ہوگیا۔ ایسا نہیں بلکہ موت کے معنی منتقل ہوجانے کے ہیں اس دار سے اس دار میں اس جہاں سے اس جہاں میں تو انتقال ایک دار سے دوسرے دار کی طرف، ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف یہ تو ہوتا رہے گا مگر انسان مٹ جائے یہ نہیں ہوسکتا اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ انسان ازلی تو نہیں لیکن ابدی ضروری ہے''۔

سلسلہ موت وحیات کا مقصد: فرمایا ''موت وحیات کیوں دی؟ اس سلسلے کی کیا ضرورت تھی؟ کہ کوئی مر رہا ہے کوئی جی رہا ہے کوئی آرہا ہے کوئی جارہا ہے کسی کو غم ہے کسی کو خوشی ہے۔ یہ کیوں کیا؟ لیبلوکم ایکم احسن عملاً تاکہ اللہ جان لے کہ تم میں سے کس کا عمل اچھا ہے اور کس کا برا۔''

موت میں عدم تعیین کی حکمت: فرمایا: موت کا وقت کسی کو معلوم نہیں بتایا گیا تاکہ پوری زندگی میں موت کی استعداد پیدا کرتا رہے اور آخرت کیلئے سامان کرتا رہے اگر یہ بتلا دیتے کہ ساٹھ برس کے بعد اتنے بج کر اتنے منٹ موت آئے گی تو اس میں دو خرابیاں تھیں اول تو آدمی کی زندگی اجیرن ہوجاتی اب وہ گن رہا ہے کہ اب موت کے اتنے دن رہ گئے ہیں کھانا پینا سب بے مزہ ہوجاتا اور نظام عالم برباد ہوجاتا اس لئے موت کا وقت نہیں بتلایا دوسرے اس لئے موت کا وقت نہیں بتلایا تاکہ عمر کو عبادت میں استعمال کرو ممکن ہے اس وقت موت آجائے اور ممکن ہے دس گھنٹے کے بعد آئے ایسا نہ ہو کہ میں اس وقت غافل ہوں اور موت آجائے تو غفلت باقی نہیں رہے گی۔

فکر موت کا طریقہ اور تصور کی کیفیت: فکر کا طریقہ یہ ہے کہ کسی وقت خلوت میں بیٹھ کر سارے خیالات کو دل سے نکال دو اور قلب کو بالکل خالی کرکے توجہ اور عزم کے ساتھ موت کا دھیان کرو۔ اول اپنے دوستوں اور اعزو اقارب کا تصور کرو جو دنیا سے گذر گئے اور یکے بعد دیگرے ایک ایک کا دھیان کرتے جاؤ کہ یہ صورتیں کہاں چلی گئیں؟ یہ کیسی کیسی امیدیں اپنے ساتھ لے گئے؟ حرص واہل نے ان میں اپنا کتنا زور دکھایا؟ جاہ ومال کی کیا کچھ تمنائیں اور آرزوئیں ان کے دلوں میں رہیں، مگر وہ آج سب خاک میں مل گئے اور منوں مٹی کے نیچے دبے پڑے ہیں کہ کوئی شخص ان کا نام بھی نہیں لیتا۔ اس کے بعد مرنے والوں کے بدن اور جسم کا دھیان کرو کہ کیسے حسین اور نازک بدن تھے مگر اب پارہ پارہ ہوگئے، گل گئے، پھٹ گئے اور کیڑے مکوڑوں کی غذا بن گئے۔ اس کے بعد ان کے اعضاء اور جوارح میں سے ایک ایک عضو کا دھیان کرو کہ وہ زبان کیا ہوئی جو کسی وقت چپ ہونا جانتی ہی نہیں تھی؟ وہ ہاتھ کہاں گئے جو حرکت کیا کرتے تھے، دیکھنے والی آنکھیں اور ان کے خوبصورت حلقے کس کیڑے کی خوراک بن گئے؟ غرض اس طرح پر دھیان کروگے تو سعید بن جاؤگے۔ کیوں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''سعید وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے''۔

طول امل سے بچو اور موت کو ہمیشہ پیش نظر رکھو: افسوس کہ ہم موت جیسی ہولناک چیز سے غافل ہیں۔ اس زمین پر کہ جس کو ہم پاؤں سے روندرہے ہیں ہم سے پہلے سینکڑوں آئے اور چل دئے مگر ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیشہ یہیں رہیں گے۔ موت کا خطرناک سفر درپیش ہے مگر ہمیں کچھ پرواہ نہیں۔ اس قدر غفلت طول امل نے پیدا کررکھی ہے، اگر یہ جہالت رفع ہو تو موت کا دھیان آئے۔ اسی لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی تھی کہ ''صبح ہو تو شام کا فکر نہ کرو اور شام ہو تو صبح کا خیال نہ لاؤ۔ اور دنیا میں آئے ہو تو زندگی میں موت کا سامان اور تندرستی میں موت کی فکر کرو۔

(جاری)

تاریخی کالم

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سفر ہجرت۔3

کُوثی: حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی جائے پیدائش کوثی، بابل کے شمال مشرق میں تھا، بابل سے اس کا فاصلہ تقریباً 40 کلومیٹر بنتا ہے، معجم البلدان میں کوثی کے ذیل میں لکھا ہے: ''یہ نہر کوثی کے کنارے واقع تھا جو بنوارفخشد بن سام بن نوح میں کوثی نامی شخص سے موسوم تھی۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی والدہ بونا بنت کرنبا بن کوثی کے دادا تھے، نہر کوثی فرات سے نکالی گئی پہلی نہر تھی۔ مشہور تابعی حضرت عبیدہ سلمانی نے حضرت علیؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ''ہم کوثی کے نبطی ہیں۔'' اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی ایک قول مروی ہے کہ ''ہم خاندان قریش، نبط کوثی کی ایک شاخ ہیں۔'' اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ قریش، حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی نسل سے ہیں جو کوثی کے نبطی تھے۔ عہد فاروقی میں فتح قادسیہ کے بعد سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے حکم پر زہرہ بن جویہ نے کوثی کے تاریخی شہر پر حملہ کیا اور وہاں کے حاکم شہریار کو قتل کرکے شہر پر قبضہ کرلیا، مقامی روایت کے مطابق یہ وہی جگہ تھی جہاں نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو قید کیا تھا۔ حضرت سعدؓ نے بابل سے کوثی جاکر اس کی زیارت کی، حضرت ابراہیم علیہ السَّلام پر درود بھیجا اور پھر یہ آیت پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے: ''ہم زمانے کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔''

اُور: بائبل کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السَّلام جنوبی عراق کے شہر ''اُور'' میں پیدا ہوئے تھے اور پھر وہیں سے آپ نے حرّان کی طرف سے ہجرت کی تھی، دریائے فرات کے دائیں کنارے پر واقع ''اُور'' عراق کا ایک قدیم ترین شہر تھا جسے چوتھی ہزاری قبل مسیح (4000B.C) میں سُمیری قوم نے آباد کیا تھا، تیسری ہزاری میں یہ شہر اپنے عروج کو پہنچا۔ 2000 قبل مسیح لگ بھگ خوزستان (فارس) کے علامیوں نے اسے بڑی حد تک تباہ کردیا۔ سترہویں صدی قبل مسیح میں حضرت ابراہیم یہاں آئے، کلدانی بادشاہوں کے عہد (626 قبل مسیح تا 539 قبل مسیح) میں ''اُور'' نے ایک بار پھر شہرت حاصل کی حتی کہ ایرانی شہنشاہ کوروش کبیر (خورس یا سائرس اعظم یا ذوالقرنین) نے اسے فتح کرلیا۔ اس کے بعد اُور بتدریج زوال کی نذر ہوگیا۔ (آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری) کلدانی حکمرانوں کی نسبت سے اسے ''اُور کلدانیہ'' بھی کہا جاتا ہے، انگریز محقق لیونارڈ ووولے نے 1922-34ء میں ''اُور'' کے کھنڈر دریافت کیے جو الناصریہ شہر کے بالمقابل دریائے فرات کے جنوب میں تقریباً بیس کلومیٹر کے فاصلے پر ہیں۔ بابل سے اُور تقریباً 225 کلومیٹر جنوب میں ہے۔ ''اُور'' ان دنوں ''تَلُّ المُقَیَّر'' کہلاتا ہے۔(المنجد فی الاعلام)

الخلیل: الخلیل یا حبرون اردن (مغربی کنارہ) کے علاقے میں ہے جس پر غاصب اسرائیلیوں نے جون 1967ء کی جنگ سے قبضہ کررکھا ہے۔ 1993ء کی ابتداء میں ایک جنونی یہودی نے الخلیل کی مسجد ابراہیمی میں داخل ہوکر اندھا دھند فائرنگ کردی جس سے نماز باجماعت ادا کرتے ہوئے 67 مسلمان شہید اور بہت سے زخمی ہوگئے تھے۔ الخلیل کی آبادی 75 ہزار سے زیادہ ہے۔ الخلیل کو حبری اور مسجد ابراہیم بھی کہتے ہیں۔ یہ جبل نصرۃ کی سطح مرتفع کے درمیان ایک نہایت زرخیز وادی میں واقع ہے۔ (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۸)

الخلیل بیت المقدس سے 35 کلومیٹر جنوب میں ہے۔ یہ اس وقت بھی آباد تھا جب تقریباً چار ہزار برس پہلے حضرت ابراہیم علیہ السّلام یہاں آئے تھے اور اُنہی کے لقب سے الخلیل موسوم ہے۔ یہاں ایک غار (مغارہ مکفیلہ) میں حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہم السّلام کی قبریں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السّلام کی قبر بھی اسی غار میں ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السّلام نے وحی الٰہی کے مطابق ان انبیائے کرام کی قبروں پر قبہ نما چھت بنادی۔ حضرت سارہ زوجہ ابراہیم علیہ السّلام، ربقہ زوجہ اسحٰق علیہ السّلام اور ایلیا زوجہ یعقوب علیہ السّلام کی قبریں بھی اسی غار کے اندر ہیں۔ تورات کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے عفرون بن صوحار الحیثی سے زمین کا ایک ٹکڑا چار سو نقرئی درہموں میں خریدا تھا اور اس میں حضرت سارہ کو دفن کیا تھا۔ 513ھ میں صلیبی بادشاہ بردویل کے عہد میں اس جگہ زمین دھنس گئی تھی اور فرنگیوں کی ایک جماعت بادشاہ کی اجازت سے غار میں داخل ہوئی تو انہوں نے ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب علیہ السّلام کو اس حالت میں پایا کہ ان کے کفن بوسیدہ ہوچکے تھے، وہ غار کی دیوار کے ساتھ لگے ہوئے تھے ان کے سروں پر قندیلیں تھیں اور سر کھلے تھے۔(معجم البلدان، جلد ۲ از یاقوت حموی بذیل ''حبرون'' اور ''خلیل'')

ہفتہ وار
مبلغ
سرینگر کشمیر

08 فروری 2013ء جمعۃ المبارک

انسانیت کے محافظ کون......؟؟

آج زمین کے ہر خطے سے انسانیت کی دُہائیاں اُبھر رہی ہیں، اور اس آڑ میں اپنے آپ کو انسانیت کے علمبر دار ہونے کی حیثیت میں کھڑا کیا جاتا ہے، جب کہ حقیقت تو یہ ہے کہ جہالت اور عصبیت نے آدمی کو ایسا خونخوار بنادیا ہے کہ وہ اپنے خونی پنجوں سے انسانیت کو دراصل لہولہان کررہا ہے۔ جہاں انسانیت بچی ہے وہاں کے انسانوں کو انسانیت دُشمن کے طور پیش کیا جارہا ہے اور جو انسانیت روندرہے ہیں انہیں انسانیت کا محافظ بتایا جاتا ہے۔

افسوس تو یہ ہے کہ اخلاقی قدروں، ایثار اور صلہ رحمی کو مادی فائدوں پر قربان کردیا گیا ہے اور اب ایسی قدروں کیلئے صرف کہانیوں اور قصوں میں گنجائش رکھی گئی ہے۔

عیاشیوں اور جاہ کے جنون نے آدمی کو اتنا خودغرض بنادیا ہے کہ وہ اپنی زندگی کا اعتبار دوسرے کی موت سے جوڑ رہا ہے۔ اس نام نہاد مہذب دنیا کی تہذیب کا معیار اس حقیقت سے جانچا جاسکتا ہے کہ آج اِس زمین پر اتنے تنازعات اور فسادات موجود ہیں کہ شاید ہی دِن رات میں کوئی لمحہ ایسا گذرتا ہوگا جب فضا بارود کی مہک سے نہ بھر جائے اور گولیاں انسانوں کو نہ چاٹ لیتی ہوں......!!!

آج امریکہ کو پوری دُنیا میں سب سے زیادہ طاقتور ملک خیال کیا جاتا ہے۔ پورا عالم اس قوت سے خوفزدہ ہے۔ بلاشبہ یہ قوم سائنسی، مادی، ذراعتی، اقتصادی اور تکنیکی لحاظ میں ممتاز حیثیت رکھتی ہے اور پوری دُنیا پر اس کا اثر اور دبدبہ ہے۔ مگر اس کے باوجود یہ قوم دنیا میں قیامِ اَمن کیلئے کوئی با اثر اور نتیجہ خیز کردار نہیں نبھاسکی ہے۔ اس ملک میں خود اتنے جرائم ہورہے ہیں کہ یہ نام جرائم کی دنیا میں سرِ فہرست ہے۔ ڈاکے، چوریاں، عصمت دریاں، زِنا، شراب نوشی وغیرہ وغیرہ کے جرائم اس ملک میں اتنے عام ہیں کہ یہ بھی اب تہذیب کا ہی حصہ بن گئے ہیں۔ یہ قوم ہر روز طلوع آفتاب پر ''نئی دُنیا'' بنانے کے نعرے بلند تو کرتی ہے، پھر غروب آفتاب پر خود اس ملک سے کثافتیں برآمد ہونے کا عمل شروع ہوتا ہے۔

آج سے چودہ سو برس پہلے عرب کے بوریانشینوں اور اونٹ ہانکنے والوں نے ایک اُمی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تقلید میں ایسی دُنیا بنادی تھی کہ مکہ سے ایک حسین وجمیل خاتون اونٹ پر سوار ہوکر تنہا مدینہ کی طرف سفر کرتی ہے۔ راستے میں دِن بھی آتے ہیں اور راتیں بھی۔ مگر نہ کوئی اس عورت سے چھیڑتا ہے اور نہ اس کے مال کو چھینتا ہے، یہاں تک کہ وہ مامون اور محفوظ طریقے پر مدینہ پہنچ جاتی ہے۔ یہ قرآن کی وہ تعلیم تھی جس نے عرب کے خونخوار قبائل اور وحشیوں کو اُس مقام پر پہنچا دیا تھا جہاں اُنہوں نے ایک ایسی دنیا تشکیل دی جہاں ہر شخص اپنے اور دوسرے کی فلاح کیلئے فکر مند تھا۔

وہ قرآن الحمدللہ آج بھی موجود ہے اور پوری دُنیا میں اعلان کررہا ہے کہ میری تعلیمات پر اخلاص کے ساتھ عمل کرلو میں تمہیں ایسی ہی دُنیا بناکے دوں گا، جہاں اَمن واطمینان اور فلاح ہی فلاح ہوگی۔

جواهر القرآن

2

سورۂ نوح آیت: ۱۱-۹

کفار مکہ کے ساتھ مل کر اس امت کے سب سے بڑے کافر ابوجہل نے خدا سے عذاب کی دعاء کی تھی: ''اے اللہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں تو ہم پر آسمانی عذاب نازل فرما'' درخواست تو کردی مگر شام کو اپنی اس درخواستِ عذاب پر شرمندہ ہوئے، اور استغفار کرتے ہوئے کہنے لگے **''غفرانک أللهم''**.

اس پر اللہ نے قرآن حکیم میں آیت بالا نازل فرمائی کہ ان کی درخواستِ عذاب قبول نہیں ہوئی، دو وجہ سے ان کو مہلت دی جارہی ہے۔
(۱) آپ کا وجود مبارک: جب تک آپ مکہ مکرمہ میں تشریف فرما ہیں تب تک عذاب نازل نہیں کیا جائے گا۔ (۲) ان کا استغفار کرنا۔

(مظهری ۴/۶۳)

درج ذیل حدیث میں بھی اسی طرح کا مضمون بیان کیا گیا ہے۔

حضرت اَنسؓ روایت کرتے ہیں: کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ: کہ میں دنیا والوں کو (گناہوں کی وجہ سے) عذاب دینے کا ارادہ کرتا ہوں مگر جب مسجدوں کو آباد کرنے والوں، صرف اللہ کے لئے محبت کرنے والوں تہجد گزاروں، اور علی الصباح استغفار کرنے والوں کو دیکھتا ہوں تو عذاب کو موقوف کر دیتا ہوں ۔(ألجامع لأحكام القرآن للقرطبی، ۴/۴۰)

استغفار ہر پریشانی کا علاج: استغفار ایک محبوب عبادت ہے اور غم واندوہ، مصائب سے نجات بھی، مزید برآں رزق وروزی دینے کا وعدہ بھی۔۔۔۔۔۔۔

حضرت عبداللہ بن عباس روایت کرتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جس شخص نے استغفار کو لازم کرلیا تو اللہ تعالی اس کو ہر غم سے نجات اور ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ پیدا فرمادیتے ہیں اور ایسی جگہ سے اس کو رزق عطا فرماتے ہیں جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ (المعجم الاوسط ا، ۴۹۵)

غم چو بینی زود استغفار کن
غم بامر خالق آمد کار کن

حضرت جعفر کا فرمان: حضرت جعفر نے سفیان ثوری سے فرمایا:۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو کوئی نعمت عطا فرمائی اور آپ چاہتے ہیں کہ وہ نعمت آپ کے پاس باقی رہے تو بکثرت اللہ کی حمد و ثناء اور اس کا شکر ادا کرو۔ اور جب رزق میں تنگی و تاخیر محسوس ہو، تو بکثرت استغفار پڑھو، اور جب کسی رنج وغم میں مبتلا ہو، تو بکثرت ''لاحول ولاقوۃ الا باللہ'' پڑھو کیوں کہ یہ کشادگی کی کنجی اور جنت کے خزانوں میں سے ہے۔

فرمودِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم

شام کی دُعائیں

۱۵۔ ''یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ اَصْلِحْ لِیْ شَأْنِیْ کُلَّہٗ، وَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ''
(صحیح الترغیب والترہیب: ا/ ۲۷۲)

اے زندہ جاوید! اے کائنات کے نگران! میں تیری ہی رحمت کے ذریعے سے زیادہ فریاد کرتا ہوں، تو سنواردے میرا ہر کام اور نہ سپرد کر مجھے میرے اپنے نفس کے آنکھ جھپکنے کے برابر بھی۔

۱۶۔ ''اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْکُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَ ھٰذَا الْیَوْمِ فَتْحَہٗ وَنَصْرَہٗ وَنُوْرَہٗ وَبَرْکَتَہٗ وَھُدَاہُ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَافِیْہِ وَشَرِّ مَابَعْدَہٗ''

صبح کی ہم نے اور صبح کی سارے ملک نے جو کہ اللہ ربّ العالمین کا ہے، اے اللہ! میں مانگتا ہوں تجھ سے بہتری اس دِن کی، اس کی فتح ونصرت، اس کا نور اور اس کی برکت اور اس کی ہدایت، اور پناہ چاہتا ہوں تیرے ذریعے سے اس دِن کے شر اور اسکے بعد کے شر سے۔ (ابوداؤد حدیث: ۵۰۸۴ سند حسن ہے)

۱۷۔ ''اَصْبَحْنَا عَلٰی فِطْرَۃِ الْاِسْلَامِ وَعَلٰی کَلِمَۃِ الْاِخْلَاصِ وَعَلٰی دِیْنِ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی مِلَّۃِ اَبِیْنَا اِبْرَاھِیْمَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا وَّمَاکَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ'' (احمد: ۲/ ۴۶)

ہم نے صبح کی فطرتِ اسلام پر، اور کلمہ اخلاص پر اپنے نبی حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دین پر، اور اپنے باپ حضرت ابراہیم (علیہ السّلام) کی ملت پر جو یک رُخ (اور) فرمانبردار تھے اور نہ تھے وہ مشرکوں میں سے۔

۱۸۔ جو شخص یہ دُعاء سو مرتبہ صبح اور سو مرتبہ شام کو پڑھے گا قیامت کے دِن کوئی شخص اسکے عمل سے افضل عمل لے کر نہیں آئے گا تاہم اگر کوئی شخص اسکے برابر یا اس سے زیادہ دفعہ کہے (تو وہ اس سے بہتر ہوسکتا ہے)۔ ''سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ'' (مسلم حدیث: ۲۶۹۲)

میں پاکیزگی بیان کرتا ہوں اللہ کی اس کی تعریفوں کے ساتھ۔

www.khanqah.in

جامع الکمالات حضرت شیخ یعقوب صاحب صرفی عاصمی گنائی۔ رحمۃ اللہ علیہ

مفتی محمد اسحاق نازکی صاحب

....

باطن صلاحیت تو پہلے ہی سے بہت زیادہ تھی یہاں کے مجاہدات اور ریاضات نے اس کو بہت زیادہ جلا بخشی، چنانچہ جنگل سے لکڑی لانا، پانی اور حمام کو گرم رکھنا، مہمان خانے کی صفائی کرنا، کھانا پکانا اور بیت الخلاؤں کی صفائی اور وہاں مٹی ڈھیلوں کا انتظام کرنا، یہ سب امور آپ کے تربیتی نصاب میں بطور جزءِ لازم تھے۔

دورانِ مجاہدات بار بار مبشرات سے نوازے گئے سیدنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرتِ امیر کبیرؒ کی خواب میں بار بار زیارت ہوئی۔ بہر حال ان سخت ریاضات کی وجہ سے آپ کندھن بن کر نکلے، خلافت سے نوازے گئے اور تمام سلسلوں میں بیعت کرنے کی آپ کو اجازت دی گئی ۔

تو نہ چھوٹے مجھ سے یاربّ تیرا چھٹنا ہے غضب
یوں میں راضی ہوں مجھے چاہے زمانہ چھوڑ دے

سیوطی دوران حضرت علامہ بابا داؤد مشکوتی صاحبؒ اسرار الابرار نے آپ کو عالم ربّانی اور عارف صمدانی لکھا ہے سچ ہے ع قدر جوہر شاہ بداند یا بداند جوہری یا ع ولی را ولی می شناسند یعنی بادشاہ ہی لعل و جوہر کی قدر جانے۔ اسی طرح خدادوست کی پہچان خدادوست ہی کرسکتا ہے۔

زہے مظہر لطافِ پروردِگار
بہ علم و عمل عارفِ نامدار
بود عاصمی آں محیط علوم
کہ قاصر شداز وصفِ ذاتش فہوم
از احفادِ عاصم کہ آں نیک خو
بدہ ابن فاروق اعظم نکو

یعنی حضرت ایشان صاحبؒ حضرت اللہ جلّ جلالہ کی مہربانیوں کے پیکر محسوس تھے جو علم و عمل اور احسان میں نامور تھے جامع علوم اسلامیہ و فنون ادبیہ تھے کہ عقل آپ کی ذات کی تعریف سے قاصر ہے آپ حسبی و نسبی فاروقی تھے یعنی حضرت عاصم کی اولاد میں سے اولاد نیک انجام تھے۔ بالآخر تکمیل سلوک پر حضرت شیخ خوارزمیؒ نے خوب دُعاؤں اور نصیحتوں کے ساتھ آپ کو رخصت فرمایا وارد وادی ہوتے ہی آنجناب عوام وخواص کیلئے مرکزِ کشش بن گئے۔ فتوحات کے دروازے کھلے، مشن اولیاء کے باغ میں نئی بہار آئی، مدارس ومساجد اور خانقاہیں متحرک ہوگئیں، طالبین مخلصین آتے تھے اور اس چشمہ صافی سے حسب توفیق ربانی فیضیاب ہوتے تھے اس طرح عرصۂ دراز تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

تذکرۃ الاولیاء- 2

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

ایک مرتبہ بصیغۂ غیبی (الہام رحمانی) سے آپؒ کے قلب مبارک میں اپنے مرشد پاک سے دوبارہ ملاقات اور شرف نیاز حاصل کرنے کا زبردست داعیہ پیدا ہوا چنانچہ یہاں کے تمام دینی ودعوتی اور اصلاحی کاموں کی ذمہ داری اپنے چند خلفاء عظام کے سپرد کرکے آپ براہِ خراسان بطرف سمرقند تشریف لے گئے، راستے میں اطلاع عام ملی کہ حضرت شیخ خوارزمیؒ سفر حرمین شریفین پر روانہ ہوئے ہیں تو آنجناب نے بغداد شریف کا راستہ اختیار کرکے حضرت شیخ سے راستے میں ہی شرف ملاقات حاصل کیا اس طرح حرمین شریفین کا یہ سفر بہت ہی پُرکیف ومستی کا رہا۔ علمی اور احسانی استفادے کے ساتھ ساتھ دوران سفر وقیام حرمین شریفین بہت سارے اَکابر علم وعرفان سے بھی شرفِ نیاز حاصل ہوا، مثلاً حضرت شیخ ابوسعید معمر جبشیؒ، حضرت شیخ سلطان علی اذلہیؒ کے علاوہ شیخ المشائخ حضرت شیخ سلیم چستیؒ سے خصوصی شرف استفادہ ملا، یاد رہے حضرت چستی صاحب، حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر دہلویؒ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کا لقب شیخ الہند بھی تھا۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں سے ارادت ہو تو دیکھ لو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

مکہ شریف پہنچ کر آپ نے دورانِ قیام محدث دوران شیخ الاسلام حضرت علامہ ابن حجر مکیؒ سے (۹۰۹ھ تا ۹۷۳ھ) علم حدیث کی کتب صحاح ستہ (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) کے علاوہ کئی مستند کتب حدیث کی براہِ راست سماعت اور قرأت فرماکر روایت حدیث کی سند بھی حاصل فرمائی، جو بہت زیادہ قابل فخر اور کمال سعادت کا باعث ہے۔ ادھر مختلف پیران طریقت سے سلاسل اربعہ (چستیہ، قادریہ، سہروردی اور نقشبندی) میں بیعت کرنے کی اجازت بھی آنجناب کو ملی۔ ان تمام واقعات سے آپ کے علمی وعرفانی کمال کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد اپنے مرشد طریقت کی ہمرکابی میں واپس سمرقند تشریف لائے۔ یہاں کچھ عرصہ تک قیام رہا۔ اکابر امت نے آپؒ سے استفادہ کیا۔ غالباً اسی دوران اُنھیں حضرات نے آپ کو حضرت ایشان صاحب کا لقب بھی دیا تھا۔

آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو
گلشن تیری یادوں سے مہکتا ہی رہے گا

جب یہاں سے روانگی کا وقت آیا تو مرشد پاک نے آخری اہم نصائح فرما کر دعا دے کر رخصت فرمایا، خراسان کے راستہ سے ایران پہنچے۔ ان دنوں یہاں ایک متعصب شیعہ حکمران طہمورس/صہماسپ صفوی اصفہانی ولد شاہ اسماعیل (وفات ۹۷۴ھ) کے اہل سنت و جماعت پر مختلف النوع مظالم کی خوب شہرت تھی۔ سب صحابہ کرام واَکابر اہل سنت کا ایک ماحول بنا ہوا تھا۔ حضرت شیخؒ سیدھے شاہِ ایران کے پاس تشریف لے گئے خود اپنا تعارف کیا، صحابہ کرامؓ اہل سنت عظام، شہدائے کربلا کے فضائل ومحاسن سنائے، اولیاء وعلماء کا مرتبہ سمجھایا۔ اہل سنت و جماعت کے بنیادی عقائد دلائل کے ساتھ بتائے، اہل تشیع کے پاکباز ائمہ کرام کے حالات وواقعات بتائے۔ اس پُرجوش، باہوش اور عالمانہ وعارفانہ تقریر سے بادشاہ بہت ہی متاثر ہوئے اور آپ کے ہاتھ پر توبہ کی تمام طرح کے مظالم کے سختی کے ساتھ بند کرنے کا شاہی حکم دیا۔ اس کا اثر درباریوں پر بھی پڑا نہ معلوم کتنے لوگ تائب ہوئے، یہ حضرت صرفی کا ایران کے مسلمانانِ اہل سنت و جماعت پر بڑا احسان تھا، اس طرح اُنھیں اپنے مذہبی عقائد واعمال کے ساتھ زندہ رہنے کا موقعہ ملا۔ الحمدللہ

اس مبارک سفر کی ایک اور خصوصیت یہ تھی کہ حضرت ایشان صاحبؒ کو سیدنا امام ہمام امام اعظم ابوحنیفہ نعمانؒ کا جبہ مبارک شیخ المشائخ حضرت بایزید بسطامیؒ کا کلاہِ مبارک اور سادات خاندان کے چشم وچراغ حضرت امام موسیٰ علیؒ رضا کا عصائے مبارک جیسے تبرکات بطور ہدایا ملے جو آپ کے خاندان میں عرصہ دراز تک موجود تھے بالآخر حضرت زیندار یعنی زین الدین علی دار کے پوتوں کے ہاں منتقل ہوئے۔ واللہ اعلم بالصواب (جاری)

ریاست سے باہر ٹیسٹ کرانے کے نام پر مریضوں کو لوٹا جا رہا ہے

سرینگر// ریاست میں اس وقت مریضوں سے غیر ضروری ٹیسٹوں کے نام پر کروڑوں روپئے وصول کئے جاتے ہیں جو کہ اَب باضابطہ طور تجارت میں تبدیل ہوگئی ہے، جبکہ محکمہ صحت نے بھی ریاست سے سالانہ قریب ٹیسٹوں کے نام پر 100 کروڑ کی تجارت ہونے کا انکشاف کرتے ہوئے کہا کہ ان کے گریباں پر ہاتھ نہیں ڈالا جاسکتا، باوثوق ذرائع سے کے این ایس کو معلوم ہوا ہے کہ ریاست کے قریب تمام اضلاع کے چھوٹے بڑے قصبوں میں غیر قانونی طور پر لیبارٹیروں کا قیام عمل میں لایا گیا ہے جو بیرونِ ریاست سے باہر ٹیسٹ کروانے کے نام پر مریضوں سے فی ٹیسٹ کی اصل رقم سے قریب 300 سے 400 گنا زیادہ فیس وصول کرتے ہیں، ذرائع نے بتایا کہ پوری ریاست میں اس وقت کئی لیبارٹریاں مقامی طور پر بھی سرگرم ہوگئی ہیں جو مختلف ٹیسٹوں اور ربیاپسی سمیت دیگر کئی ٹیسٹوں کے نام پر مریضوں کو خوف زدہ کرکے دودو ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں، ذرائع نے بتایا کہ ان بیرون ریاستی لیبارٹیروں کے Collection مراکز پر مریضوں سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ ٹیسٹ بیرون ریاست سے تیار ہوکر آئینگے جس کیلئے اُنہیں زیادہ رقومات درکار ہے اور ان ٹیسٹوں کی کسی جگہ کوئی ریٹ مقرر نہیں ہے بلکہ اگر ٹیسٹ کی اصل لاگت 100 روپے ہوتی ہے تو مریضوں سے دوسو سے تین سو روپے وصول کئے جاتے ہیں جس میں چالیس فیصد ٹیسٹ تجویز کرنے والے ڈاکٹر کا کمیشن اور باقی کی رقم بھی ان مراکز اور ایجنٹوں کو بطور کمیشن فراہم کیا جاتا ہے، ذرائع کے بقول پوری ریاست میں یہ ٹیسٹ غیر قانونی اور غیر ضروری طور کرائے جاتے ہیں، جبکہ تمام چھوٹے بڑے اضلاع میں یہ ٹیسٹ کرانے کا سلسلہ تیز ہوتا جارہا ہے اور اس نے اَب یہاں باضابطہ تجارت کا روپ اختیار کیا ہے جس پر روک لگانے کی ضرورت ہے، محکمہ صحت کے ایک اعلیٰ آفیسر نے اپنا نام مخفی رکھنے کی شرط پر کشمیر نیوز سروس کو بتایا کہ ان ٹیسٹوں پر قریب سو کروڑ روپے خرچ کئے جاتے ہیں، جو ریاست میں باضابطہ تجارت کا روپ اختیار کیا ہے، جس پر روک لگانے کی ضرورت ہے، محکمہ صحت کے ایک اعلیٰ آفیسر نے اپنا نام مخفی رکھنے کے شرط پر کے این ایس کو بتایا کہ ان ٹیسٹوں پر قریب سو کروڑ روپے خرچ کئے جاتے ہیں جو ریاست میں باضابطہ ایک تجارت بن چکی ہے اور اس میں بڑے بڑے اثر رسوخ رکھنے والے افراد شامل ہے جن کے گریبان تک ہاتھ ڈالنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔

معاشرے کی تشکیل اعلیٰ اخلاقی اقدار سے ہی ممکن

سرینگر// مفتی اعظم مولانا مفتی محمد بشیرالدین فاروقی نے کہا ہے کہ لڑکیاں اور ہماری بہو بیٹیاں معاشرے کی تشکیل میں اہم کردار نبھا سکتی ہیں اور جب ہمارا معاشرہ ایک صحیح راستہ چھوڑ کر بے حیائی وبے شرمی کا شکار ہوجائے اور طاؤس وربَاب کی منحوس زنجیروں میں جکڑ جائے تو یہ ہماری بدقسمتی ہوگی۔ ایک موسیقی گروپ سے وابستہ چند لڑکیوں کے حوالے سے پیدا شدہ صورتحال پر اپنے تأثرات کا اظہار کرتے ہوئے مفتی اعظم جموں وکشمیر نے تعلیمی اداروں اور ان کے منتظمین سے کہا کہ وہ اعلیٰ اخلاقی اقدار اُجاگر کریں اور قوم کے سرمایہ بہو بیٹیوں کو اخلاق کی تعمیر کی طرف راغب کرنا۔ مفتی اعظم نے اس بات پر خوشی ظاہر کی کہ ہماری اس نئی نسل میں ایک ترقی پسند دین پسند مائل بہ تعمیر وتحریک آگئی ہے جس سے ہم پُراُمید ہیں۔

''اَفْشُوْا السَّلَامَ بَیْنَکُمْ''
''سلام کو آپس میں عام کرو''

SAMEER & CO

Deals with:
PLY WOOD, HARDWARE, PAINTS ETC

ایک بار آزمائیے، بار بار تشریف لائیے

H.O: K.P. ROAD ISLAMABAD
Contact No's:9419040053

www.khanqah.in

www.khanqah.in

آپ کے پوچھے گئے دینی سوالات

سوال: چند مختلف سوالات جن میں آج کل عامۃ المسلمین مبتلا ہیں، کیا ان کے بارے میں شریعت اسلامیہ میں کوئی رعایت ہے، یعنی (۱) گھروں میں جاندار کی تصاویر اور کھلونے رکھنا۔ (۲) ایسے ہی لوگ براق نامی کوئی جاندار گھوڑے کی تصویر رکھنا۔ (۳) بستی یا محلّہ میں یا کوئی پیر بزرگ کے ہاتھوں مکان کی بنیاد رکھوانا۔ نیز اگر کوئی مکان میں اجازت کیلئے ایسی بیل (Bell) لگادے کہ جس میں ''اللہ اکبر'' کی آواز نکلے تو کیا ایسی بیل لگانا جائز ہے؟

محمد شریف بٹ۔ نودل ترال

جواب: وباللہ التوفیق۔ گھروں کو صاف ستھرا اور اس میں نظم وترتیب قائم کرنا شرعا مطلوب ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالی پاک ہے، اور پاکیزگی پسند کرتا ہے، صاف ستھرا ہے، صفائی پسند کرتا ہے''۔

حضرت سعد بن وقاصؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اپنے گھر کے صحن پاک وصاف رکھو، یہودی اپنے صحن کو پاک صاف نہیں رکھتے''۔ (مجمع الزوائد: ۱/ ۲۸۶) میں ہے: اس کو طبرانی نے ''اوسط'' میں روایت کیا، اس کے رجال (شیخ بخاری کے علاوہ) صحیح کے رجال ہیں۔

گھروں میں جاندار کی تصویر رکھنا

گھروں میں جان دار کی تصویر رکھنا جائز نہیں؛ اس لیے کہ جس گھر میں جان دار کی تصویر ہوتی ہے، فرشتے نہیں آتے، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک بار جبریلؑ نے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک معین وقت پر آنے کا وعدہ کیا، وقت گزر گیا اور جبریلؑ نہیں آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں عصا تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے زمین پر ڈال دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالی اور اس کے فرستادے وعدہ خلافی نہیں کرتے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر چارپائی کے نیچے ایک پلے پر پڑی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عائشہ! یہ کتا یہاں کب آ گیا؟ حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ اللہ کی قسم! مجھے نہیں معلوم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو باہر نکالنے کا حکم فرمایا، اسے باہر نکال دیا گیا تو جبریلؑ تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ مجھ سے آنے کا وعدہ کیا تھا، میں انتظار میں بیٹھا تھا، نہیں آئے؟ حضرت جبریل نے فرمایا کہ آپ کے گھر میں جو کتا تھا وہی رکاوٹ بنا؛ جس گھر میں کتا یا تصویر ہوتی ہے، ہم نہیں آتے۔ (مسلم: کتاب اللباس والزینۃ باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان ۳/ ۱۶۶۴ [۲۱۰۴]؛ بخاری کتاب اللباس باب لاتدخل الملائکۃ ۵/ ۲۲۲۲ [۵۶۱۶]

امام نووی اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: ''تصویر والے گھر میں فرشتوں کے نہ آنے کی وجہ یہ ہے کہ تصویر کھلی ہوئی معصیت ہے، اس میں اللہ تعالی کی تخلیق کا مقابلہ ہے، اور بعض تصویروں کی پوجا کی جاتی ہے۔ ان فرشتوں سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں جو برکت اور مغفرت کی دعا کرتے ہی۔ ان کے علاوہ محافظ فرشتے، ہر گھر میں، ہر حالت میں داخل ہوتے ہیں؛ کیوں کہ ان کا کام ہی بندوں کے اعمال کو لکھنا اور محفوظ کرنا ہے۔ (شرح نووی علی مسلم ۱۴/ ۸۴)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، میں نے ایک پردہ ڈال رکھا تھا، جس میں تصویر تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک بدل گیا، آپ نے پردہ کو ہاتھ میں لے کر چاک کردیا اور فرمایا: ''قیامت کے دن جن لوگوں کو سب سے سخت عذاب ہوگا، ان میں وہ لوگ ہیں جو اللہ کی تخلیق کی مشابہت کرتے ہیں''۔ (مسلم: کتاب اللباس والزینۃ باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان ۳/ ۱۶۶۷ [۲۱۰۷])

گھروں میں فوٹو چسپاں کرنا جائز نہیں، ہر جان دار کا فوٹو منع ہے، آج یہ برائی بہت ہی عام ہوگئی ہے؛ بلکہ اس کو گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا، لیکن کسی برائی کے عام ہونے سے اس برائی کا برا ہونا ختم نہیں ہوتا، تصویروں کا موجودہ سیلاب؛ بلکہ طوفان مغربی اور نصرانی تہذیب کا نتیجہ ہے، تمام مذاہب میں صرف اسلام کی خصوصیت ہے کہ اس نے تصویر سازی اور بت تراشی کو بد ترین گناہ قرار دیا ہے، اور ایسے لوگوں کو ملعون کہا اس لیے کہ یہی تصویر سازی؛ بت سازی، بت پرستی اور شخصیت پرستی کا زینہ ہے، اور اسلام مسلمانوں کو نہ صرف بت پرستی؛ بلکہ اسباب وذرائع سے بھی باز رکھنا چاہتا ہے، بہر کیف تصویر سازی اسلام کی نظر میں بد ترین جرم اور گناہ ہے، اگر آج مسلمان بد قسمتی سے نصرانی تہذیب کے برپا کیے ہوئے طوفان میں پھنس چکے ہیں تو کم از کم اتنا تو ہونا ہی چاہیئے کہ گناہ کو گناہ سمجھا جائے۔

(آپ کے مسائل ۷/ ۶۰، ۶۷)

مکان میں براق کی تصویر رکھنا جائز نہیں

جان دار کی اشکال کے کھلونے گھر میں رکھنا:

گھروں میں بچیاں جو گڑیاں بناتی ہیں اور جن کے نقوش نمایاں نہیں ہوتے محض ایک ہیولا سا ہوتا ہے، ان کے ساتھ بچیوں کا کھیلنا جائز ہے، اور ان کو گھروں رکھنا بھی درست ہے؛ لیکن پلاسٹک کے جو کھلونے بازار میں ملتے ہیں، وہ تو پوری مورتیاں ہوتی ہیں، ان مجسموں کی خرید وفروخت اور ان کو گھر میں رکھنا ناجائز ہے، افسوس کہ آج کل ایسے بت گھروں میں رکھنے کا رواج چل نکلا ہے، اور ان کی بدولت، ہمارے گھر ''بت خانوں'' کا منظر پیش کر رہے ہیں، حد تو یہ ہے کہ مٹھائیوں کے بھی پتلے بنائے جاتے ہیں، گویا شیطان نے کھلونوں کے بہانے بت شکن قوم کو بت فروش اور بت تراش بنادیا، اللہ تعالی مسلمانوں کو اس آفت سے بچائے۔ (آپ کے مسائل ۷/ ۷۰ / جدید فقہی مسائل ۱/ ۲۴۲ / احسن الفتاوی ۸/ ۴۱)

مکان میں کسی طرح کی تصویر رکھنا جائز نہیں۔ ابن تیمیہ کہتے ہیں:

فان کل ما عظم بالباطل مکان اوزمان او حجر اوشجر او بنیۃ یجب قصد اھانتہ کما تھان الاوثان المعبودۃ۔

''ایسی ہر چیز جس کی باطل طبقہ سے تعظیم کی جاتی ہے، وہ جگہ ہو یا وقت یا پتھر یا درخت یا کوئی عمارت تو جس طرح پوجا کی مورتیوں کا توڑ دینا ضروری ہے ان چیزوں کا ختم کرنا بھی ضروری ہے''۔

یہ تو بے جان کے لیے ہے، براق تو جان دار ہے، اس کی تصویر کسی حالت میں بھی (مذکورہ خرابی ہو یا نہ ہو) رکھ نہیں سکتے کہ جان دار کی تصویر حرام ہے، پھر چاہے وہ براق کی ہو یا کسی پیر پیمبر کی۔

(فتاوی ابن تیمیہ ۲/ ۶۷؛ فتاوی رحیمیہ ۲/ ۳۷)

آویزاں کرنے سے مراد اگر یہ ہے کہ جس طرح اور کتبے مکان میں لگائے جاتے ہیں، اسی طرح کسی کپڑے یا کاغذ پر لکھے ہوئے کلمہ طیبہ کو آویزاں کیا جائے، تو مضائقہ نہیں، لیکن آویزاں کرنے سے اگر یہ غرض ہو کہ ایسے طریقے پر آویزاں کیا جائے کہ لوگ اس کی تعظیم کریں، اور اس کو خاص اہمیت دیں، تو یہ اچھی بات نہیں، اور نہ اس کی اجازت ہے۔

(جامع الفتاوی ۱/ ۲۶۸)

گذر بسر اور ضرورت سے زیادہ تعمیر ناپسند ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کل بناء وبال علیہ الا مالا یعنی بد منہ (سنن ابوداود: کتاب الادب)۔ ''ہر تعمیر وبال اور خرابی ہے، مگر جس قدر کی ضرورت ہے''۔ اس میں پانچ چھ گز کی کوئی قید نہیں، ہر شخص کی ضرورت مختلف ہے۔

(فتاوی رشیدیہ ص ۵۶۳)

مکان کی بنیاد کسی بزرگ سے رکھوانا

آج کل یہ کام بھی ایک رسم بن گیا ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ عموما صاحب خانہ کے حالات واعمال سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کو دین سے کوئی تعلق نہیں، کسی بزرگ سے بنیاد رکھوا کر پھر اسی مکان میں تصاویر گانا بجانا اور دوسرے علانیہ معاصی کا ارتکاب کیا جاتا ہے، اگر کسی کے قلب میں واقعتاً فکر آخرت ہو اور مکان میں برکت کے لیے خود اپنے اعمال کی بھی اصلاح ضروری سمجھتا ہے پھر بلا تکلف کبھی کسی بزرگ سے بنیاد رکھوانے کا موقع مل گیا، کھانے پینے کے تکلفات اور دوسرے خرافات سے بچ کر بنیاد رکھوائی تو کچھ حرج نہیں، بلکہ مستحسن ہے۔ (احسن الفتاوی ۸/ ۳۷)

جس بیل میں بٹن دبانے پر ''اللہ اکبر'' آواز آئے:

اس بیل کا گھر یا آفس میں استعمال جائز نہیں۔ اس میں اللہ عز وجل کے مبارک اور بے حد قابلِ عظمت نام کو کسی کو اپنے آنے کی خبر دینے یا کسی کو بلانے کے لیے استعمال کرنا لازم آتا ہے اور یہ جائز نہیں، گناہ کا کام ہے، اس کے اس طرح استعمال کرنے میں اللہ تعالی کے پاک اور مبارک نام کی توہین ہے۔ لہذا گھر پر یا آفس میں اسے استعمال نہ کیا جائے اللہ کا مبارک نام خالص ذکر الٰہی کی نیت اور ارادہ سے لینا چاہیے، اپنی کوئی دنیوی غرض پوری کرنے کے لیے اس مبارک نام کو استعمال کرنا بہت ہی نامناسب اور ایمانی غیرت کے منافی ہے۔

فقہا نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص لوگوں اکو اپنی آمد کی خبر دینے کے لیے ''یا اللہ'' کہے تو یہ مکروہ ہے۔ اور جیسے کوئی شخص سبق ختم ہونیکی خبر دینے کے لیے ''اللہ یعلم'' کہے تو یہ بھی مکروہ ہے۔ یا کوئی چوکیدار زور سے ''لا الہ الا اللہ'' پڑھے اور اس سے اس کا مقصد اپنے بیدار ہونے کی خبر دینا ہو تو یہ مکروہ ہے۔

(ابن عابدین ۶/ ۴۳۱؛ فتاوی رحیمیہ ۹/ ۲۳۵)

مکان کی تعمیر پر قرآن کریم ختم کرنا:

خود، اہلِ خانہ اور احباب قرآن پاک تلاوت کرلیں اور دعاء کرلیں کہ اللہ تعالی! اس میں خیر وبرکت عطاء فرما، اس مکان میں رہنے والوں کو طاعات کی توفیق دے، اتباع سنت نصیب فرما، گناہوں سے محفوظ رکھ، شیاطین جنات اور پڑوسیوں کے شر سے حفاظت فرما۔ (فتاوی محمودیہ ۳/ ۱۷۵)

نئے مکان میں وعظ اور شیرینی تقسیم کرنا:

اگر برکت کے لیے شکریہ کے طور پر، بغیر کسی التزام کے ایسا کرے تو درست ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۱۸/ ۴۸)

فقط واللہ اعلم بالصواب

SIR COMPUTERS & WORLD COMMUNICATION

Deals with:

HP/Compaq, Epson, Fujifilm, Intex, Beetel, ProDot, Digisol, Odyssey, Aoc, Canon

H.O: DagerporaIslamabadKashmir

Branch: ReshBazarMainSherbaghRoad

ContactNos:9419412525,9205147023

E-mail:sircomputers@ymail.com

نوٹ: اس شمارے میں شاملِ اشاعت مضامین ومراسلے وغیرہ سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ ادارہ

www.khanqah.in

تعلیم اور سماجی خرابیاں -2

علم کا صحیح اسلامی مفہوم: اِختراعات کے اس دور میں جو فتنوں کے عروج کا دور ہے، جہاں بہت سارے الفاظ واصطلاحات کو اس کے اصل مفہوم سے ہٹا کر غیر اصل کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی گئی، انہیں میں سے ایک علم بھی ہے، ''روشن خیال'' مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہمارا اچھا خاصا سنجیدہ دین دار طبقہ بھی بے جا وُسعت ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے، معنیٔ علم میں بے جا وسعت دینے کے درپے ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ علم ایک اِکائی ہے، اس کی تقسیم ممکن نہیں، لہٰذا علم دین اور علمِ دنیا یہ تقسیم غلط ہے، تمام علوم ایک ہی ہیں۔ قرآن وحدیث نے جس علم کی فضیلت بیان کی ہے، وہ ان تمام کو شامل ہے، جب کہ علمائے ربانیین اور راسخین فی العلم کی اکثریت بل کہ جمہور علما اس کے قائل ہیں کہ یا تو علم کی تقسیم ہی مُسلَّم نہیں، علم صرف ایک ہے اور وہ ہے علم دین، کیوں کہ وہ آخرت کی فکر پیدا کرتا ہے، لہٰذا قرآن وحدیث میں جو فضیلت وارد ہے، وہ صرف اسی کی ہے، کسی اور کی نہیں، اور دنیوی علم علم کے زمرے میں داخل ہی نہیں، وہ تو فن، ہنر اور کاریگری ہے، وہ علم کہے جانے کے قابل ہی نہیں، تب ان کا بھی موقف یہی ہے کہ علم اِکائی نہیں بل کہ علم ایک ہی ہے، اور اگر لغتاً معلومات کے معنی میں لیا جائے تب تو تقسیم کے سوا چارۂ کار نہیں، آخرت کی فکر پیدا کرنے والا علم دین، اور دنیا اور معاش کا مسئلہ حل کرنے والا علم دنیا۔ اسی کو علم معاش وعلم معاد بھی کہتے ہیں۔

حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں: علم کا شرف معلوم کے شرف پر موقوف ہے، اور معلوم اس کو کہتے ہیں جس کے حالات اس علم میں بیان کیے جائیں۔ علم دین کا معلوم حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات ہے، اور تمام علم دین کا حاصل بھی یہی ہے، اور دیگر تمام علوم کا معلوم ماسوی اللہ ہے، پس جو نسبت دنیا یا ماسوی اللہ کو حق تعالیٰ کے ساتھ ہے، وہی نسبت علوم دنیویہ کو علم دین کے ساتھ ہوگی، اور اس کی نسبت بجز اس کے کیا کہا جاسکتا ہے۔ ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک

حق تعالیٰ کی ذات وصفات تو کسی چیز کے ساتھ کچھ نسبت نہیں رکھتی، وہ باقی اور سب فانی، وہ زندہ اور سب مردہ، وہ غنی اور سب محتاج، وہ موجود اور سب معدوم (کل شیء ھالک الا وجھہ)۔

غرض دونوں چیزوں میں کوئی نسبت نہیں قرار دی جاسکتی ہے، سوائے اس کے کہ علم دین پر موجود کا اطلاق کیا جائے، اور علم دنیا پر معدوم کا، اب میرا دعویٰ قریب الفہم ہوگیا ہے، کہ علم دین کے سامنے دیگر علوم علم کہلانے کے مستحق ہی نہیں، تو مقابلہ کیا کیا جائے! علومِ دنیا کو علم مت کہو، فن کہو، پیشہ کہو، حرفت کہو۔ (انفاس عیسیٰ)

شیخ الاسلام ترجمان اہل سنت والجماعت حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہٗ تو ''جدید دور میں علم اور اس کا استعمال، فتنۂ الفاظ کا جائزہ'' کے تحت فرماتے ہیں: موجودہ دور کے علمی وذہنی فتنوں میں سے ایک بڑا فتنہ ''فریب الفاظ'' کا بھی ہے، ایک لفظ جسے ہم بولتے ہیں، وہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے ایسے حقائق پر مشتمل ہوتا ہے، جو بالکل صحیح وصادق، مقدس ومتبرک، اور نہایت معقول ومحمود ہے، مگر اسی لفظ کے عام لغوی معنی کی وسعت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اسے بہ طور تلبیس وتلمیح، ایک ایسے معنی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو بجائے مقبول ہونے کے مردود اور مذموم ہوتا ہے، اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ مخاطب کو مغالطہ دے کر، محض خوش نما اور دل فریب الفاظ سے مسحور کردیں۔

آزادی، مساوات، تہذیب، ترقی اور اسی طرح کے اور الفاظ ہیں، جو اگر اپنے اصلی وحقیقی معانی میں مستعمل ہوں، نہایت محمود، مستحسن اور قابلِ تعریف ہیں، لیکن جب کسی زشت وشنیع مفہوم کو خوبصورت ظاہر کرنے کے لیے یہی الفاظ بہ بطور نقاب استعمال ہونے لگیں، تو یہ خالص تلبیس وخداع ہے۔ ٹھیک یہی صورت آج کل، لفظ ''علم'' کے متعلق واقع ہوئی ہے۔

کسی مسلم اسکول کا افتتاح ہو، کسی کالج کی بنیاد رکھی جائے، کسی یونیورسٹی کی تقسیم اسناد کا جلسہ ہو، آپ دیکھتے ہیں کہ حضرات مقررین کس شد ومد سے ''علم'' کے فضائل میں، قرآنِ پاک کی بہت سی آیات اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شمار احادیث پڑھتے رہتے ہیں، گویا اپنے اس طرزِ عمل سے مخاطبین پر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جدید علم کے ایسے ایسے فضائل قرآن پاک میں موجود ہیں، حالاں کہ قرآن کریم کو ایک سرسری نظر سے پڑھ جایئے تو ظاہر ہوجائے گا کہ وہ خود علم کی دو قسمیں قرار دیتا ہے:

ایک علم نافع ومطلوب ومحبوب؛ دوسرا مضر ومردود......اس کے نزدیک ایک علم زہر ہے، دوسرا تریاق، ایک پاک شراب ہے، دوسرا محض سراب۔ ایک سببِ ہلاکت ہے، دوسرا سامانِ نجات۔ ایک آسمان کی بلندیوں پر اٹھانے والا ہے، دوسرا اسفل السافلین کی پستیوں میں پہونچانے والا۔

جو علم اپنے اثرات کے اعتبار سے آخرکار خشیت الٰہی اور رغبتِ آخرت پر منتج نہ ہو، جو علم انسان کو خدا سے نڈر اور زندگی کے آخری انجام سے بالکل غافل کردے، جو علم ایسی مادی دنیا کی لذت وانبساط وشہوات حیوانیہ کو (خواہ وہ کتنی ہی ترقی یافتہ شکل میں ہوں) انسان کا معبود ٹھہرائے، کیا ایسا علم بارگاہ رب العزت میں درخور اعتنا یا لائق التفات ٹھہر سکتا ہے؟ یا قرآن حکیم اس کے اکتساب کی ایک لمحہ کے لیے بھی ترغیب دے سکتا ہے؟

قرآن تو ایسے علم کی نسبت صاف طور پر یہ حکم دیتا ہے: ''فَاعرض عن من تولیٰ عَن ذکرِنا و لم یرد الا الحیوۃ الدنیا ذلک مبلغھم من العلم'' یعنی تو منہ پھیر لے اس کی طرف سے، جس نے ہماری بات سے منہ پھیر لیا اور جس کا مقصد اس دنیوی زندگی سے آگے کچھ نہیں، ان کے علم کی رسائی اور پرواز یہیں تک ہے۔ اس کے بالمقابل ایک وہ لوگ ہیں، جو اللہ سے ڈرتے ہیں، اس کی مخلوق پر رحم کھاتے ہیں اور ادب وتہذیب کے قاعدوں پر عمل کرتے ہیں۔ اخلاقی پاکیزگی ان کا جوہر ہے، ایمان کے نور سے ان کے دل روشن ہیں۔ غرض کہ علم ان کے اندر اِنابت الی اللہ، رحمت علی الخلائق کے اوصاف پیدا کرتا ہے، تو اسی طرح کے اولوا العلم کے حق میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''یرفع اللہ الذین اٰمنوا منکم و الذین أوتوا العلم درجات''۔

قرآن پاک نے ایک شخص (قارون) کا ذکر کیا ہے، جس کی دنیوی دولت اب تک ضرب المثل ہے۔ جس کے خزائن کی کثرت کا اندازہ ''ان مفاتحہ'' کے الفاظ سے ہوسکتا ہے، جس کا سامان دیکھ کر لوگوں کی آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں، حتی کہ بہت سے تمنا کرتے تھے کہ ''یالیت لنا مثل ما أوتی قارون انہ لذو حظ عظیم'' اس نے ترقی کی اس معراج پر پہونچ کر ایک علم کا دعویٰ کیا تھا، جس کے ذریعہ اس کو یہ عروج حاصل ہوا ''قال انما أوتیتہ علی علم عندی''۔ (جاری)

علم نحو سیکھئے - 5

مولانا محمد طاہر قاسمی۔ اُستاذ سواء السبیل

سوال: فِعْل کی تعریف کیجئے؟

جواب: فعل وہ لفظ ہے جو اپنے معنی پر دلالت کرنے میں کسی دوسرے کا محتاج نہ ہو اور تینوں زمانوں (ماضی، حال، مستقبل) میں سے کسی ایک پر دلالت کرے جیسے ضَرَبَ، اس ایک مرد نے مارا، زمانہ گذشتہ میں۔

سوال: لفظِ فَتَحَ کا فعل ہونا کیسے معلوم ہوا؟

جواب: لفظِ فَتَحَ کا فعل ہونا اس طرح معلوم ہوا کہ یہ اپنا معنی (اُس ایک مرد نے کھولا) پر دلالت کرنے میں کسی دوسرے لفظ مثلاً زَید، عمر، بکر وغیر کا محتاج نہیں ہے، نیز تینوں زمانہ میں سے زمانہ گذرے ہوئے پر دلالت کرتا ہے۔

سوال: فِعْل کی علامتیں بتایئے؟

جواب: فِعْل کی چند علامتیں ہیں (۱) لفظ قَدْ کا شروع میں ہونا جیسے قَدْ سَمِعَ اللّٰہُ (اللہ نے سن لیا)۔ (۲) لفظ سِیْن کا شروع میں ہونا جیسے سَیَقُوْلُ السُّفَہَآء (عنقریب کہیں گے بیوقوف)۔ (۳) لفظ سَوْفَ کا شروع میں ہونا، جیسے سَوْفَ تَعْلَمُوْن (ایک مدّت کے بعد تم سب جان لوگے)۔ (۴) حرفِ جازم کا شروع میں ہونا جیسے لَمْ یَنْصُرْ لَمَّا یَنْصُرْ، لِیَنْصُرْ، لَا تَنْصُرْ۔ (۵) ضمیر مرفوع متصل کا آخر میں ہونا، جیسے ضَرَبْتُ میں تُ۔ (۶) تاء تانیث ساکنہ کا آخر میں ہونا، جیسے فَعَلَتْ، میں تْ۔ (اُس ایک عورت نے کیا)۔ (۷) نونِ تاکید ثقیلہ اور خفیفہ کا آخر میں ہونا، جیسے لَیَضْرِبُنَّ اور لَیَضْرِبُنْ (ضرور بالضرور ماریں گے وہ سب مرد)۔ (۸) اَمر کا ہونا، جیسے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃ (نماز قائم کرو)۔ (۹) نہی کا ہونا، جیسے لَا تَقْرَبُوا الزِّنَا (زِناء کے قریب مت جاؤ)۔ (۱۰) مسند ہونا، جیسے قَالَ زَیْدٌ میں قَالَ۔ (زید نے کہا)۔ (۱۱) گردان کا آنا جیسے فَعَلَ، فَعَلَا، فَعَلُوْا، فَعَلَتْ، فَعَلَتَا............ الخ۔ (ہدایت النحو، نحو میر)

سوال: لفظ قَدْ فعل کی علامت کیوں؟

جواب: لفظ قد تین معانی کیلئے وضع کیا گیا، (۱) ماضی کو حال سے قریب کردینے کیلئے، جیسے قَدْ ضَرَبَ (اس مرد نے عنقریب مارا ہے)۔ (۲) مضارع کی قلّت (کمی) بتانے کیلئے جیسے اِنَّ الْکَذِبَ قَدْ یَصْدُقُ (تحقیق کہ بہت جھوٹے بولنے والا کبھی کبھی سچ بولتا ہے) (۳) تحقیق کیلئے جیسے قَدْ فَعَلَ (یقیناً اس مرد نے کیا)۔ پس یہ مذکورہ معانی میں سے کوئی معنی فعل کے سوا اسم اور حرف میں نہیں پائے جاتے ہیں۔

سوال: لفظ سِیْن اور سَوْفَ فِعْل کی علامت کیوں؟

جواب: لفظ سِیْن اور سَوْفَ فِعْل کی علامت اس وجہ سے ہے کہ یہ دونوں الفاظ استقبال کیلئے وضع کئے گئے ہیں اور استقبال صرف فِعْل ہی میں ہوتا ہے۔ (درایہ)

سوال: لفظ سِیْن اور سَوْفَ میں کیا فرق ہے؟

جواب: لفظ سِیْن استقبالِ قریب کیلئے اور سَوْفَ استقبالِ بعید کیلئے آتا ہے، جیسے سَیَضْرِبُ (عنقریب مارے گا وہ ایک مرد)۔ سَوْفَ یَضْرِبُ (ایک مدت کے بعد مارے گا وہ ایک مرد)۔ (حاشیہ ہدایۃ النحو)

سوال: جَزْم فعل کی علامت کیوں؟

جواب: جزم حرفِ جازم (جزم دینے والا حرف) کی وجہ سے ہوتا ہے، اور حرف جازم صرف فعل پر داخل ہوتا ہے اس وجہ سے جزم بھی فعل کی علامت ہے تا کہ دونوں کے درمیان اتحاد پیدا ہوجائے۔ (درایہ)

سوال: ضمیر بارز مرفوع متصل کسے کہتے ہیں؟

جواب: ضمیر بارز مرفوع متصل وہ ضمیر ہے جو فاعل رافع یعنی فعل یا شبہ فعل سے ملی ہوئی ہو، جیسے ضَرَبْتُ میں تُ۔ (دروس النحویہ)

سوال: ضمیر بارز مرفوع متصل فعل کی علامت کیوں؟

جواب: ضمیر بارز مرفوع متصل یہ فاعل کی ضمیر ہے اور فاعل صرف فعل کیلئے ہوتا ہے اس وجہ سے ضمیر بارز مرفوع متصل فعل کی علامت ہے۔ (درایہ)

بقیہ: کبھی اے نوجواں مسلم!............

مگر بیچاری عورت اوران کے گھر والے غریب ہونے کی وجہ سے شوہر کا مطالبہ پورا نہیں کر پاتے جس کی وجہ سے شوہر کے ظلم کے دفاع کی کوئی صورت نہیں ہوتی ہے، عورت بیچاری نہ اپنا درد کسی کو سنا سکتی ہے اور نہ ہی اسکا کوئی درد سننے والا ہوتا ہے، وہ مجبورا دو صورتوں میں سے ایک کو اختیار کرتی ہیں یا تو گھٹ گھٹ کر زندگی گذارتی ہے یا پھر اپنے آپ کو موت کے حوالہ کر کے ہمیشہ ہمیش کے لئے ظالم شوہر سے نجات حاصل کر لیتی ہے، چنانچہ جہیز کا مطالبہ پورا نہ کرنے والی خواتین کے خودکشی کے واقعات کثرت سے اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ مسلم نوجوان کو گرفتار کرنے والے اجنبی ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے ہمدرد بہت ہوتے ہیں اور وہ اپنے عزیز واقارب اور اپنے متعلقین سے تعاون کی امید رکھتے ہیں اور تعاون بھی ہوتا ہے مگر عورتوں پر ظلم کرنے والے خود ان کے شوہر اور گھر کے افراد ہوتے ہیں، اب یہ کس سے ہمدردی کی امید رکھے گی اور کون اس کی مدد کرے گا؟ عورت کے والدین اور ان کے عزیز واقارب بھی مدد نہیں کر سکتے چونکہ مدد کی ایک ہی صورت ہے کہ ان کے ظالم شوہر کے مطالبہ جہیز کو پورا کیا جائے مگر ان کے پاس مطالبہ کی تکمیل کی وسعت نہیں، اگر ہوتی، ظلم کی نوبت ہی نہیں آتی تھی، ظالم شوہر کو مطالبۂ جہیز سے روکنے لئے عدالت کا سہارا بھی نہیں لے سکتے چونکہ یہاں بھی رقم کی ضرورت ہے۔ بسا اوقات ظالم شوہر بیچاری عورت کو گھر سے نکال دیتا ہے اب بیچاری بے یار ومددگار تمام لوگوں کے سامنے ذلت ورسوائی کا سامنا کرتے ہوئے دردر کی ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہے، اب اس کا کوئی در نہیں جس میں اپنا سر چھپائے، بعض عورتوں کو جہیز کی عدم ادائیگی پر زدوکوب کیا جاتا ہے، عورت کے سرپرستوں پر جہیز کی ادائیگی کے لئے دباؤ ڈالا جاتا ہے، نہ دینے کی صورت میں ڈرایا دھمکایا جاتا ہے، بعض ظالم شوہر عورت کو موت کے گھات اتار دیتے ہیں، بسا اوقات شادی کے دوسرے دن ہی بیچاری عورت موت کا شکار ہو جاتی ہے۔ یہ حالات تو ان کے ساتھ ہیں جن کی شادی ہوگئی؛ لیکن ان جوان بچیوں کا تو اور برا حال ہے جن کی جوانیاں شادی کے انتظار میں ختم ہو جاتی ہیں، محض جہیز کی تکمیل نہ کرنے کی وجہ سے ان کی شادی نہیں ہوتی، کیا گذرتی ہوگی ان نوجوان بچیوں پر کیا بیت رہی ہوگی ان بچیوں کے سرپرستوں پر اس کا اندازہ وہی لگا سکتا ہے جس کو ان مراحل سے گذرنا پڑتا ہے ان کی زندگی جیل میں رہنے والے سے کہیں زیادہ پریشان کن ہوا کرتی ہے۔ عورتوں پر ظالم شوہر کی طرف سے ایک تو جہیز کے نہ دینے پر ظلم وستم ہوتا ہے دوسرا اگر اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو بیٹی کی دولت سے نوازا تو ظالم اپنے ظلم پر مزید اضافہ کرتا ہے، اور عورت کو بچی کی پیدائش کا سبب سمجھ کر مزید اسے ہراساں کیا جاتا ہے، بیٹی جو خدا کی رحمت بن کر آتی ہے اس بیٹی کی وجہ سے ظالم شوہر عورت پر محض اس ڈر سے ظلم کرتا ہے کہ جس طرح ہم نے اپنے بیوی سے جہیز لیا کل اس بچی کی شادی میں ہمیں بھی جہیز دینا ہوگا اور جس طرح ہم نے اپنی بیوی کے گھر والوں کو جہیز کے لئے تنگ کیا اور ان کے گھر والے اپنی جائداد تک بیچنے کے بعد بھی میری ناجائز خواہشات کی تکمیل نہ کر سکے کل ہمیں بھی انہیں حالات کا سامنا کرنا ہوگا۔ گرفتار شدہ مسلم نوجوانوں کی تعداد ان مظلوم عورتوں کے مقابلے میں بہت کم ہے اور مظلوم عورتیں تو حد وشمار سے بہت آگے ہیں، ہر شہر ہر گاؤں اور ہر ہر محلے میں عورتیں ظلم وبربریت کا شکار ہیں، الغرض آج مسلم معاشرے میں جہیز جیسا مہلک مرض عام ہونے کی وجہ سے عورتوں پر ظلم وبربریت کی انتہاء ہو چکی ہے، مسلمانوں کو چاہئے کہ جس طرح مسلم نوجوانوں کی گرفتاری کے خلاف جدوجہد کی جاتی ہے اسی طرح عورتوں پر ہونے والے ظلم کے خلاف بھی جدوجہد

بقیہ: تصوف ہمارا قیمتی............

حالانکہ کانپور اور بلہوران کے تذکروں کی صداؤں سے گونج رہے تھے، اور ہر ایک سوسائٹی (خواہ اعلیٰ ہو یا ادنیٰ) ان کے تذکروں کو اپنے جلسوں کا دلچسپ مبحث بنائے ہوئے تھی، پھر یہ کس کا اثر تھا؟ آیا مرادآباد کے پانی کا؟ ہرگز نہیں، وہاں کی خاک کا؟ ہرگز نہیں۔ وہاں کے در ودیوار کا؟ ہرگز نہیں۔ حضرت کے ہاتھ پاؤں کا؟ ہرگز نہیں۔ حضرت کے بالوں کا؟ ہرگز نہیں۔ البتہ اس کیفیت کا اثر تھا جو حضرت کے قلب میں تھی۔ وہ کیفیت کیا تھی؟ اس سے کون واقف ہے اور کوئی کیا جانے؟ مریض کا بدن بخار سے جلتا ہے، مگر وہ سوائے اثر کے مؤثر کو نہیں جانتا۔ سبب کو تشخیص کرنا طبیب کا کام ہے، ہم بدن پر ہاتھ رکھ کر گرمی محسوس کر سکتے ہیں، مریض کو اپنا جسم گرم اور منہ کا مزہ تلخ معلوم ہوتا ہے لیکن یہ جاننا کہ یہ غلبہ صفراء کا نتیجہ ہے، طبیب کا کام ہے۔

دوسرا خیال یہ تھا کہ خود میرا ذہن مجھ کو ذلیل سمجھتا تھا، اور ہر چند حیرت سے غور کرتا تھا لیکن کوئی وقعت اپنی میرے ذہن میں نہیں آتی تھی، دنیاوی جلسوں میں لفٹنٹ کے دربار دیکھے، روٴسا کے مجمع دیکھے، اہل علم کی مجلسیں دیکھیں، مگر کہیں اپنے نفس کو اتنا بے حقیقت نہیں پایا، اپنے اعمالِ ذمیمہ پر خود نفس ملامت کرتا تھا اور اپنی بے مائیگی پر خود نفریں کن تھا، ہر شخص سے خواہ وہ کوئی ہو، اپنے تئیں کم وقعت تصور کرتا تھا،

غرض کہ ایک عجیب حال تھا کہ پورا بیان میں آنا مشکل ہے۔ وہاں سے آنے پر یہ خیالات ایسے رہے جیسے کہ کسی دلچسپ خواب کا صبح کو خیال اور لطف ہوتا ہے، رفتہ رفتہ یہ کیفیت زائل ہوگئی اور چند لمحے کے بعد پھر نفس امارہ أنا ولا غیری اور ''ہمچو ما دیگرے نیست'' کے پھندے میں جا پھنسا، یہ خیال میرے نزدیک محض نئے اور نرالے تھے جو مدت العمر میں کسی اور جگہ کبھی نہیں پیدا ہوئے، اس سے قیاس چاہتا ہے کہ وہ جگہ بھی کچھ اور جگہوں سے نرالی تھی،،، اللہ بس باقی ہوس۔'' (تذکرۂ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی)

غور کیجئے! یہ نرالی جگہ، یہ نرالی کیفیت اور خیال! کس چیز کا اثر ہے، حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کے قلب میں وہ کیفیت کہاں سے طاری ہوئی، اس کا سرچشمہ بجز تصوف کے اور کیا ہے؟ ان کو تصوف ہی نے مرصع کیا تھا، اور اس چیز کو ان کی زندگی سے نکال دیجئے تو دیکھئے کیا بچتا ہے۔ تصوف ہمارا بہت قیمتی سرمایہ ہے، ایک لازوال دولت ہے، اس راہ سے بندہ اپنے رب سے واصل ہوتا ہے، تصوف شریعت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے، وہ آدمی میں شریعت کے رچ بس جانے کا ایک بے بدل ذریعہ ہے۔ اس کے بنیادی ارکان پانچ ہیں، (۱) صحبت شیخ، (۲) علم شریعت، (۳) ذکر کی کثرت، (۴) فکر کا التزام، (۵) اور امراضِ نفسانی کا علاج۔ ان میں کون سی چیز قابل اعتراض ہے، اور کون سی بات شریعت کے باہر ہے؟

وُسعتِ رزق کیلئے شکرِ نعمت ضروری

موجودہ دور میں انسان کو جن گونا گوں پریشانیوں نے گھیر رکھا ہے ان میں ایک پریشانی تنگی رزق کی بھی ہے، اکثر حضرات یہ شکایت کرتے پھرتے ہیں کہ آمدن کم ہے خرچ زیادہ ہے گزارہ مشکل سے ہو رہا ہے، یہ مسئلہ بعض اوقات اتنی گھمبیر صورت اختیار کر لیتا ہے کہ آدمی اس سے تنگ آ کر خودکشی کر لیتا ہے۔ (معاذ اللہ) اب اس مسئلہ کو حل کرنے کیلئے کوئی تو تعویذ اور وظیفوں کے چکر میں لگا رہتا ہے، کوئی غیر اللہ سے حاجتیں مانگ مانگ کر کفر وشرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اگر قرآن وحدیث میں بتائے ہوئے نسخوں کو استعمال کیا جائے تو اس پریشانی سے نجات مل سکتی ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ یقین رکھے کہ ہر ذی روح کو روزی پہنچانا یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ومامن دابۃ...... ''یعنی زمین پر چلنے والا ہر جاندار جسے رزق کی ضرورت لاحق ہو اس کو روزی پہنچانے کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے اپنے ذمہ کر لیا ہے، جس قدر روزی جس کیلئے مقدر ہے یقیناً پہنچ کر ہی رہے گی، جو وسائل واسباب بندہ اختیار کرتا ہے، وہ روزی پہنچنے کے دروازے ہیں اصل روزی رساں اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرتے رہو اور حصول معاشی کی سعی وجدوجہد میں نیک روی اور اعتدال اختیار کرو (تا کہ تمہارا رزق تم تک جائز اور حلال ذرائع سے پہنچے) نیز کہیں ایسا نہ ہو کہ رزق پہنچنے میں تاخیر نہیں اس بات پر اکسا دے کہ تم گناہوں کے ارتکاب کے ذریعہ رزق حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگو، حقیقت یہ ہے کہ جو چیز اللہ کے پاس ہے اس کو اس کی طاعت وخوشنودی ہی کے ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اور قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ میں نے انسان اور جنات کو اسلئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں میں ان سے رزق کا بالکل طالب نہیں ہوں اور نہ یہ قطعاً چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں، حقیقت یہ ہے کہ رازق تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے (اور) وہ بڑی زبردست قوت کا مالک ہے۔ (ذاریات)

اللہ تعالیٰ پر یقین کے ساتھ دوسرا کام یہ کرنا ہے کہ خرچ کو آمدن کے تابع رکھیں یعنی خرچ کو آمدن سے نہ بڑھائیں اور خرچ میں میانہ روی اختیار کریں فضول خرچی سے اجتناب کریں، صرف مواقع ضرورت میں خرچ کریں، جناب نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: ''خرچ میں میانہ روی سے کام لینا گویا کہ آمدنی کا آدھا حصہ حاصل کرتا ہے جب خرچ کم ہوگا تو آمدن کم ہونے کی وجہ سے زیادہ پریشانی نہیں ہوگی۔ اس کے ساتھ تیسرا نسخہ یہ استعمال کیا جائے کہ جو نعمتیں ملی ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے، کیونکہ شکر گزاری سے رزق میں اضافہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے ''اگر تم شکر گزاری کرو گے تو میں ضرور زیادہ دوں گا تمہیں اور اگر تم ناشکری کرو گے تو بے شک میرا عذاب بہت سخت ہے۔'' (ابراھیم: ۷)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا کہ اگر احسان مان کر زبان ودل سے میری نعمتوں کا شکر ادا کرو گے تو اور زیادہ نعمتیں ملیں گی جسمانی، روحانی اور دُنیوی واخروی ہر قسم کی اور ناشکری کی صورت میں خطرہ ہے، کہ موجودہ نعمتیں بھی سلب نہ کر لی جائیں، ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں ایک سائل آیا آپؐ نے ایک کھجور عنایت فرمائی اس نے نہیں لی پھینک دی پھر دوسرا سائل آے اس کو بھی ایک کھجور دی وہ بولا: سبحان اللہ!...... یہ جناب نبی کریمؐ کا تبرک ہے، اس پر خوشی کا اظہار کیا تو آپ نے جاریہ کو حکم دیا کہ ام سلمہؓ کے پاس جو چالیس درہم رکھے ہیں وہ اس شکر گزار سائل کو دلا دو۔ تو معلوم ہوا کہ شکر گزاری سے اور فوائد کے علاوہ رزق میں وسعت بھی حاصل ہوتی ہے۔

www.khanqah.in

www.khanqah.in

Vol. 14 No: 06 | 08 February 2013 | Friday

Printer,Publisher: Nizam-ud-din Qurashi
Associate Editor: Hafiz Mushtaq Ahmad Thakur
Postal Adress: Post Box No. 1390 G.P.O Srinagar
Sub Office: Khandipora Katrasoo Kulgam Kashmir-192232
Phone No: 01931-212198
Mobile: 09906546004
Branch Office: Srinagar Ph: 2481821

Widely Circulated Weekly News Paper
MUBALLIG
Kashmir

Decl. No: DMS/PUB/627-31/99
R.N.I. No: JKURD/2000/4470
Postal Regd. No: SK/123/2012-2014
Posting Date: 09-02-2013
Printed at: Khidmat Offset Press Srinagar
e-mail: muballigmushtaq@gmail.com
muballig_mushtaq@yahoo.com.in

تصوف ہمارا قیمتی سرمایہ

مولانا اعجاز احمد صاحب۔شیخ پورہ یوپی

ادھر چند برسوں میں اہل اسلام کے درمیان سے علم وفضل اور زُہد وتقویٰ کے لحاظ سے ممتاز، اتنی بڑی بڑی شخصیتیں مسلسل اُٹھتی چلی گئی ہیں کہ کم از کم ہندوستان کے دینی بلکہ انسانی حلقوں میں ایک نا قابل تدارک خلاء محسوس ہونے لگا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کے گناہوں کی تاریکی اور دھوئیں میں یہ نورانی ہستیاں گھٹن اور وحشت محسوس کرنے لگی تھیں، اس پر حق تعالیٰ نے یکے بعد دیگرے ایک بڑی تعداد کو اپنی آغوشِ رحمت میں بلالیا۔

یہ تو حقیقت ہے کہ انسان دنیا میں مسافرانہ وارد ہوا ہے، اس کا سفر برابر طے ہورہا ہے، ہر روز ایک انسانی قافلہ شب وروز کی راہ قطع کرتا ہوا عدم کی منزل میں گم ہوجاتا ہے، تاہم ہر روز ایک نیا قافلہ اس دنیا میں وارد ہوکر جانے والوں کی جگہ پُر کرلیتا ہے، لیکن انھیں جانے والوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا جانا دنیا کو بہت محسوس ہوتا ہے، وہ رحمت وبرکت کا سرچشمہ ہوتے ہیں۔ان کے سائے میں ایک عالَم کا عالَم راحت پاتا ہے، ان کے وجود سے دلوں میں روشنی محسوس ہوتی ہے، ان کی صحبت میں سکون واطمینان کی چادر سی تنی ہوئی معلوم ہوتی ہے، یہ لوگ جب چلے جاتے ہیں تو بے شمار انسان بے سایہ اور بے سہارا لگنے لگتے ہیں، پھر دنیا کے ستائے ہوئے لوگ، مصیبت کے مارے ہوئے لوگ، علم وعمل کے پیاسے لوگ، گزر جانے والوں کا بدل تلاش کرتے ہیں اور نہیں پاتے، تو انھیں دُہری مصیبت کا احساس ہونے لگتا ہے۔

ہم کئی سال سے جن شخصیتوں کو کھوتے چلے جارہے ہیں، وہ اسی شان کی تھیں جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے، ان میں سے ہر شخصیت ایسی ہی تھی کہ آج ان کا بدل تلاش کرنے سے نہیں ملتا، یہاں ان سطروں میں ہم ان بزرگانِ رفتہ کا ماتم نہیں کرنا چاہتے، بلکہ اس پر غور کرنا چاہتے ہیں، اور اپنے اخوان واحباب کو دعوتِ فکر دینا چاہتے ہیں کہ گزر جانے والی نسل میں وہ کیا خاص بات تھی جس کی وجہ سے وہ ساری انسانیت کے لئے پناہ گاہ بن گئے تھے، اور ان کے سائے میں ہر آنے والا سکون اور خنکی محسوس کرتا تھا، اور موجودہ نسل سے وہ کیا چیز گم گئی ہے کہ اس کے پاس سوزش، تکلیف، پیاس اور بے اطمینانی کے سوا اور کچھ نہیں ملتا۔

لوگوں کے رُجحانات بدلے ہوئے ہیں، ہوا کا رُخ کچھ اور ہے، اس سے ہٹ کر گفتگو کرنا اپنے آپ کو موردِ طعن بنانا ہے، لیکن جو بات کہنے کی ہے اسے "حلقۂ یاراں" میں لانا ضروری ہے، شاید دلوں کی آنکھ کھلے، شاید کسی کو نفع ہو۔

جب ہم ان بزرگوں کی زندگی اور ان کی سیرت وشمائل پر غور کرتے ہیں تو یہ حقیقت نمایاں طور پر نظر آتی ہے کہ جن کمالات کی وجہ سے انھیں دنیا نے اپنے دل میں جگہ دی ان کا اصل منبع اور سرچشمہ وہی چیز ہے جسے آج کل اسلام میں شجرِ ممنوعہ قرار دیا جارہا ہے، وہ کیا ہے؟ وہ تصوف ہے۔ یہ سارے حضراتِ اکابر تصوف کے ذوق آشنا ہی نہیں عملاً اس کوچہ کے رہنورد اور اس طریق کے سالک تھے، اسی تصوف نے ان کی زندگیوں میں اس درجہ حلاوت، کیف اور چاشنی بھر دی تھی کہ جو بھی ان کی صحبت میں پہونچ گیا وہ ان میں جذب ہوکر رہ گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا أُمِرُوْا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ۔ ان کو جو حکم ہے وہ یہی ہے کہ اللہ کی عبادت اخلاص کے ساتھ کریں، اور اسی اخلاص میں آدمی ترقی کرتا ہے تو اسے مرتبۂ احسان حاصل ہوتا ہے، جو عبادت اور دین کا اصل جوہر ہے، اس کے حاصل ہونے کے بعد آدمی کا رُواں رُواں صدا دینے لگتا ہے کہ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ بے شک میری نماز، میری قربانی بلکہ میری زندگی اور موت محض اللہ کے لئے ہے، جو سارے عالم کا پروردگار ہے۔

اسی اخلاص اور احسان کو حاصل کرنے کا طریقہ اور اس تک پہونچنے کا راستہ تصوف کے نام سے معروف ہے، اب خواہ کوئی اس نام سے بھڑکے یا اسے غیر اسلامی چیز قرار دے، مگر یہ حقیقت ہے کہ اس راہ کو اپنائے بغیر اخلاص اور احسان کے نام اور اس کی علمی تشریحات کی معرفت تو ہوسکتی ہے، لیکن آدمی کا دل ودماغ اور اس کا ریشہ ریشہ اس کی حلاوت سے سرشار ہوجائے، اس کا حصول مشائخ کی صحبت اور تصوف کی عملی مشق کے بغیر بہت دشوار ہے، یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے آدمی خواہ اس سے صرفِ نظر کرے، مگر اس کے بغیر اسے اپنی زندگی میں خلاء ضرور محسوس ہوتا ہے، بشرطیکہ حس ماؤف نہ ہوچکی ہو، آج دنیا میں انسان اپنے کو بہت سی لایعنی مشغولیات میں مبتلا کرکے حقائق سے فرار اختیار کرتا ہے مگر مرض اور بڑھاپا تمام لایعنی مشغلوں کو چھڑا دیتا ہے، اس وقت بہت سے لوگوں کو اپنی کمی کا احساس ہونے لگتا ہے، اور اصحاب توفیق اس پر پہلے ہی متنبہ ہوجاتے ہیں، اس سلسلے میں مشہور ومعروف صاحب علم وتدریس حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ کا اعتراف اور ان کی آپ بیتی ملاحظہ کرلینی چاہئے، یہ صرف انھیں کے دل کی آواز نہیں ہے، بلکہ غور کریں گے تو بکثرت اصحاب علم وفضل کے دل کی گہرائیوں سے یہ صدا نکلتی ہوئی محسوس ہوگی، یہ اور بات ہے کہ امام غزالی نے اس صدا پر لبیک کہا اور بہت سے حضرات اسے نظر انداز کردیتے ہیں، امام غزالی کی تحریر کا یہ اقتباس ہم حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ کی مایہ ناز کتاب "تاریخ دعوت وعزیمت" حصہ اول سے نقل کرتے ہیں۔امام صاحب علوم وفنون کی کئی بے برگ وگیاہ وادیوں کا جائزہ لینے کے بعد لکھتے ہیں کہ: "اب صرف تصوف باقی رہ گیا ہے، میں ہمہ تن تصوف کی طرف متوجہ ہوا، تصوف علمی بھی ہے اور عملی بھی۔میرے لئے علم کا معاملہ آسان تھا، میں نے ابوطالب مکی کی "قوت القلوب" اور حارث محاسبی کی تصنیفات، اور حضرت جنید وشبلی وبایزید بسطامی وغیرہ کے ملفوظات پڑھے اور علم کے راستے سے جو کچھ حاصل کیا جاسکتا تھا، وہ میں نے حاصل کرلیا، لیکن مجھے معلوم ہوا کہ اصلی حقائق تک تعلیم کے ذریعہ سے نہیں، بلکہ ذوق وحال اور حالات کی تبدیلی سے پہونچا جاسکتا ہے، جو علوم میرا سرمایہ تھے خواہ شرعی ہوں یا عقلی، ان سے مجھے وجودِ باری، نبوت اور معاد پر ایمان راسخ حاصل ہوچکا تھا، لیکن یہ بھی کسی دلیل محض سے نہیں بلکہ ان اسباب وقرائن اور تجربوں کی بنا پر جن کی تفصیل مشکل ہے، مجھ پر یہ اچھی طرح واضح ہوچکا تھا کہ سعادتِ اُخروی کی صورت صرف یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کیا جائے اور نفس کو اس کی خواہشات سے روکا جائے، اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ دارِ فانی سے بے رغبتی، آخرت کی طرف میلان وکشش اور پوری یکسوئی کے ساتھ توجہ الی اللہ کے ذریعہ قلب کا علاقہ دنیا سے ٹوٹ جائے، لیکن یہ جاہ ومال سے اعراض اور موانع وعلائق سے فرار کے بغیر ممکن نہیں۔میں نے اپنے حالات پر غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ میں سرتاپا دُنیوی علائق میں غرق ہوں۔میرا سب سے افضل عمل تدریس وتعلیم کا معلوم ہوتا تھا، لیکن ٹٹولنے سے معلوم ہوا کہ میری تمام تر توجہ ان علوم کی طرف ہے جو نہ اہم ہیں اور نہ آخرت کے سلسلے میں کچھ فائدہ پہونچانے والے ہیں۔میں نے اپنی تدریس کی نیت کو دیکھا تو وہ بھی خالص لوجہ اللہ نہ تھی، بلکہ اس کا باعث ومحرک بھی محض طلب جاہ وحصول شہرت تھا، تب مجھے یقین ہوگیا کہ میں ہلاکت کے غار کے کنارے کھڑا ہوں، اگر میں نے اصلاح حال کے لئے کوشش نہ کی تو میرے لئے سخت خطرہ ہے۔"

اس کے بعد امام غزالیؒ اپنی اندرونی کش مکش، ایمان ونفس کی آویزش، پھر اس کی وجہ سے اپنے مبتلائے امراض ہونے کا ذکر کرتے ہیں۔اس کے بعد بغداد سے نکلنے، تدریس کو چھوڑنے، لوگوں کے افسوس کرنے کا تفصیلی تذکرہ کرتے ہوئے اپنے دس سالہ مجاہدات کا اجمالاً ذکر کرنے کے بعد انھوں نے بطور خلاصہ کے تحریر فرمایا ہے کہ: "ان تنہائیوں میں مجھے جو کچھ انکشافات ہوئے، اور جو کچھ مجھے حاصل ہوا، اس کی تفصیل اور استقصاء تو ممکن نہیں، لیکن ناظرین کے نفع کے لئے اتنا ضرور کہوں گا کہ مجھے یقینی طور پر معلوم ہوگیا کہ صوفیہ ہی اللہ کے راستے کے سالک ہیں، ان کی سیرت بہترین سیرت، ان کا طریق سب سے مستقیم اور ان کے اخلاق سب سے زیادہ تربیت یافتہ اور صحیح ہیں۔اگر عقلاء کی عقل، حکماء کی حکمت اور شریعت کے رمز شناسوں کا علم مل کر بھی ان کی سیرت واخلاق سے بہتر لانا چاہے تو ممکن نہیں۔ان کے ظاہری وباطنی حرکات وسکنات مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہیں، اور نور نبوت سے بڑھ کر روئے زمین پر کوئی نور نہیں جس سے روشنی حاصل کی جائے۔" (المنقذ من الضلال) یہ عاقل ترین عالم کی شہادت ہے اور بلاشبہہ صحیح اور قابل اعتماد ہے، جو لوگ تصوف کے منکر ہیں ان سے تو کچھ نہیں کہنا ہے، لیکن جو حضرات اس کے قائل ومعترف ہیں انھیں عملاً اس کی طرف متوجہ ہونا چاہئے، وہ زندگی بھی کوئی زندگی ہے جو صرف دنیا اور دنیاوی متاع واسباب کے لئے بسر ہو، زندگی تو وہی ہے جو صرف اللہ کی رضا جوئی کے لئے ہو اور اس کی رضا جوئی کی عملی مشق کا نام تصوف ہے۔

یہ صحیح ہے کہ بہت سے لوگوں نے غیر مخلصانہ طریق پر تصوف میں قدم رکھا، اور انھوں نے اپنے اعمال وکردار سے اس پاک طریقہ کو بدنام کیا، لیکن کیا کچھ غلط افراد کی ناکردنی کے باعث اس ضروری عمل کو چھوڑ دیا جائے، ہرگز نہیں۔تصوف انسان کو کہاں سے کہاں تک پہونچاتا ہے، اس کا بیان ایک بڑے صاحب علم وعقل اور زبردست دنیوی وجاہت کے مالک نواب صدر یار جنگ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی علیہ الرحمہ کی زبانی سنئے! وہ اپنے زمانے کے مشہور شیخ طریقت حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی قدس سرہٗ کی خدمت میں پہونچے تو ان کا کیا تاثر تھا، اسے ملاحظہ فرمایئے اور اندازہ کیجئے کہ تصوف آدمی کو کن بلندیوں تک پہونچادیا کرتا ہے، بشرطیکہ اس کو اخلاص وصدق کے ساتھ اختیار کیا جائے۔فرماتے ہیں: حضرت کی خدمت میں پہونچ کر دو زبردست خیالات میرے دل میں طاری ہوئے، جن کے سبب یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ میں نے حضرت کا مرتبہ پہچان لیا، لیکن یہ جانا کہ ہم میں اور ان میں سوائے ظاہری مشابہت کے اور کوئی مشابہت نہیں، ہمارے خیالات سے ان کے خیالات الگ، ہمارے ارادوں سے ان کے ارادے جدا، ہمارے مشاغل سے ان کے مشاغل علیحدہ، ان کی امیدیں اور، خوشیاں اور، خوف اور مقصود اور۔ آگ لکڑی کو جلاتی ہے ہم بھی دیکھتے ہیں اور ان کے بھی پیش نظر ہے، لیکن ہم کیا سمجھتے ہیں، ان کے ذہن میں کیا آتا ہے۔

اول خیال تو یہ تھا کہ مرادآباد دُنیا میں ہے، اور گاؤں نہیں قصبہ ہے، لیکن حضرت کی مسجد میں ایک دوسرا عالم نظر آتا تھا، دنیاوی معاملات کا کوسوں پتہ نہ تھا، خود حضرت کی گفتار وکردار اور وہاں کے اہل قیام کے احوال سے (عام اس سے کہ وہ چند گھنٹوں کے لئے آئے ہوئے ہیں یا دو چار برس سے رہتے ہیں) یہ معلوم ہوتا تھا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو تعلقاتِ دنیوی سے کنارہ کر آئے ہیں، حیدرآباد کے امیر وکبیر نواب خورشید جاہ بہادر جو ۵۲/لاکھ کے معافی دار ہیں، میرے پہونچنے سے صرف ایک روز پہلے وہاں آئے تھے، مگر ان کا ذکر نہ تھا اور نہ کوئی وقعت ان کی کسی کے ذہن میں معلوم ہوتی تھی۔ بقیہ صفحہ 7 پر............